کتاب شہادت (جلد 3) صفحہ 1371 تا 1464

کتاب شہادت

اس کتاب میں اسلام کے ان عظیم الشان
واقعات پر جن پر پردہ پڑا ہوا تھا پوری
روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا
ہے کہ جس طرح جنگ صفین و جمل
ایک بے بنیاد افسانہ اور بعد کی
گھڑت ہیں اسی طرح امام حسین
کی شہادت کا واقعہ بالکل
غلط اور محض بے بنیاد ہے۔
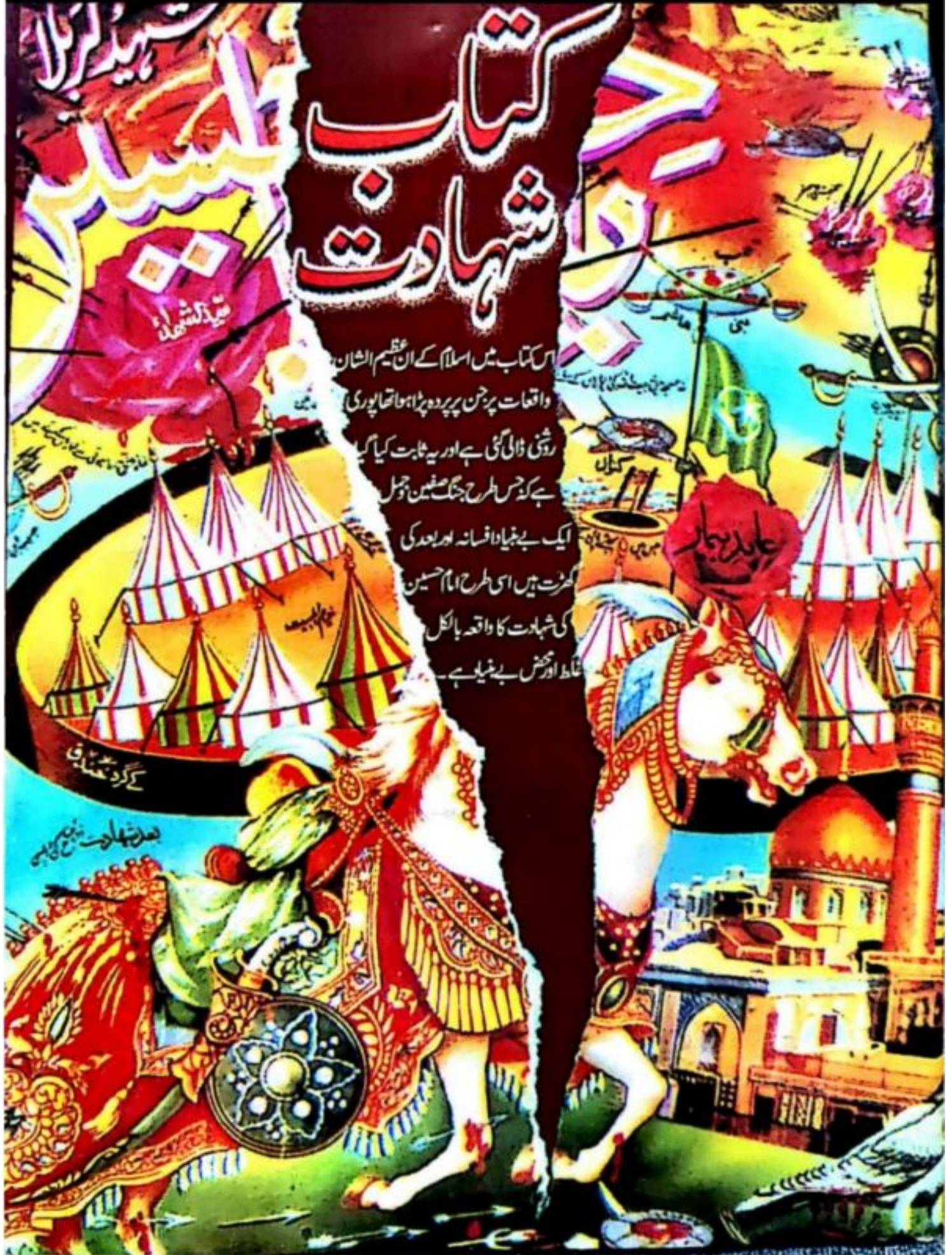
يُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (سورۃ انفال: ۷، ۸)

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے ثابت کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق ثابت کردے اور باطل کو مٹادے اور اگرچہ (اس سے) گنہگار ناخوش ہوں۔

کتاب شہادت

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی بحث

شیعی مطاعن اور اُن کے جواب، مسلمانوں کا عقیدہ

حکیمانہ، محققانہ اور عالمانہ بحث

کتاب شہادت... جلد...3

صفحہ---1371...تا....1464

مرزا حیرت دہلوی

کرزن پریس دھلی انڈیا
المطبوعه ۱۳۲۵ھ

دوسرا جواب: یہ ہے کہ یہ حدیث اخبار احاد میں سے ہے لہٰذا اس سے وہ اصل دین کیونکر ثابت ہوسکتی ہے۔ جس کے بغیر ایمان بھی درست نہ ہو۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ اس حدیث کے الفاظ تمہارے لیے حجت نہیں بلکہ تم پر ہی حجت ہیں کیونکہ اُس کے الفاظ یہ ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اُس کا نام میرے نام پر ہوگا اور اُس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر لہٰذا وہ مہدی جن کی بابت حضور انور ﷺ نے پیشین گوئی کی ہے اُن کا نام محمد بن عبداللہ ہے نہ کہ محمد بن حسن، اور حضرت علی سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ مہدی حسن بن علی کی اولاد میں سے ہوں گے نہ کہ حسین بن علی کی والاد میں اس کے علاوہ وہ احادیث مہدی مشہور ہیں۔ جن کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ نے روایت کا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث نبی ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ اگر دنیا کا فقط ایک ہی دن باقی رہ جائے تو اللہ تعالے اُس دن کو بڑھا کر میرے اہل بیت میں سے ایک ایسا آدمی پیدا کرے گا کہ اُس کا نام میرے نام پر ہوگا اور اُس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر وہ روئے زمین کو عدل وانصاف سے اس طرح بھرے گا جیسے پہلے زمین ظلم وستم سے بھری ہوئی ہوگی یہ سب حدیثیں خبر احاد کا مرتبہ رکھتی ہیں اور اُن سے کوئی قطعی رائے قائم نہیں ہوسکتی۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ شیعی علماء نے یہ حدیث ان لفظوں سے بیان کی ہے۔ اسمہ کاسمی وکنیتہ ککنیتی اور ان لفظوں سے ذکر نہیں کی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی حالانکہ حدیث کی مشہور کتابوں میں اس حدیث کو ان الفاظ سے محدثین میں سے کسی نے نہیں دیکھا۔ پس شیعی علماء نے اِس حدیث کو ان الفاظ سے ذکر نہیں کیا جن سے یہ حدیث کی کتابوں میں معروف ہے بلکہ اُنہوں نے ایسے جھوٹے لفظوں سے ذکر کی ہے کہ اُسے اس طرح کسی محدث نے ذکر نہیں کیا۔ پھر اُن کا یہ کہنا کہ ابن جوزی نے اُسے سند کے ساتھ روایت کیا ہے تو اُس ابن جوزی سے عالم مشہور صاحب تصنیفات کثیرہ یعنی ابوالفرج اگر مراد ہیں تو یہ اُن پر اتہام ہے اُنہوں نے اس طرح روایت نہیں کیا۔ اور اگر اس سے مراد یوسف بن عزا ہے جس نے تاریخ مراۃ الزمان تصنیف کی ہے اور فرقۂ اثناعشریہ کے بارے میں بھی اُس نے ایک کتاب تصنیف کی اور اُس کا نام اعلام الخواص رکھا ۔ تو اس شخص کا اعتبار نہیں کیونکہ یہ اپنی تصنیفات میں طرح طرح کی باتیں رطب ویابس کی ذکر کیا کرتا ہے اور اپنے مطلب کی باتوں میں اکثر ضعیف اور موضوع حدیثوں سے حجت کیا کرتا ہے اِس کا یہ قاعدہ تھا کہ

لوگوں کے مطلب کے موافق تصنیف کر دیتا تھا اسی طرح شیعوں کے لیے اُن کے مذاق کی کتابیں بنا دیتا تھا تا کہ وہ اُسے اُس کا معقول معاوضہ اور مزدوری دیدیں علی ہذا القیاس۔ پھر بعض بادشاہوں سے رقم اینٹھنے کے لیے امام ابوحنیفہ کے مذہب پر تصنیف کر دیتا تھا تا کہ اس سے اس کے مطلب پورے ہوتے رہیں غرض کہ اُس طرز اُس واعظ کی طرح تھا جس سے کسی نے پوچھا تھا کہ تمہارا مذہب کیا ہے اُس نے کہا جس شہر میں میں جاتا ہوں اُس شہر کے لوگوں کا جو مذہب دیکھتا ہوں وہی اختیار کر لیتا ہوں اسی وجہ سے اسکی بعض کتابوں میں تو صحابہ میں سے خلفائے راشدین کی بُرائی ہے وہ کتابیں اُس نے مذہب شیعہ کے قصد سے تصنیف کی ہیں اور اُس کی بعض تصنیفات میں خلفاء راشدین وغیرہ کی تعظیم اور تعریف پائی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے چونکہ سلف اور خلف کے نزدیک مشہور حدیث اس طرح تھی کہ نبی ﷺ نے مہدی کی بابت فرمایا۔ یواطی اسمه اسمی واسلم ابیه اسم ابی تو اس پر بہت سے لوگوں کو مہدی بننے کی طمع ہوئی یہاں تک کہ منصور نے بھی اپنے بیٹے کا نام محمد اور اُسکا لقب مہدی رکھا لیکن جس کا وعدہ ہے۔ وہ یہ بھی نہ تھا اور ابوعبداللہ محمد بن تومرت جسکا لقب مہدی تھا جو مغرب میں پیدا ہوا تھا اُس کے گروہ کا لقب موحدین تھا اور اُس کی کیفیت سب کو معلوم ہے وہ بھی یہی کہتا تھا کہ وہ مہدی میں ہی ہوں جس کی بابت بشارت آئی ہے اور اُس کے ساتھی یعنی مرید منبروں پر چڑھ کر اُس کے لیے خطبہ پڑھتے تھے۔ اس مصنوعی مہدی کا ۵۰۹ھ میں ظہور ہوا تھا اور ۵۲۴ھ میں انتقال ہو گیا تھا۔ لوگ اُس کو امام حسن کی اولاد سے کہتے تھے کیونکہ یہ علم حدیث میں بہت ماہر تھا اسی پر اس نے یہ دعویٰ کر دیا تھا کہ رسول خدا کی بشارت میری ہی بابت ہے لیکن امر واقعی اس طرح نہ تھا اور نہ اُس نے تمام روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھرا تھا بلکہ یہ بہت سے خلاف شرع امور میں منہمک تھا اس سے پہلے عبیداللہ میمون القداح نے بھی مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا لیکن اس کے اور اس کے باپ کے نام میں حدیث کی موافقت نہ تھی وہ یہ کہتا تھا کہ مہدی محمد بن اسمٰعیل کی اولاد میں سے ہوں گے اور یہ میمون یعنی میرے باپ محمد بن اسمٰعیل ہی تھے۔ لہٰذا میں اُن کی اولاد میں مہدی ہوں حالانکہ علماء مسلمین سے جو نسبت وغیرہ سے واقف ہیں یقیناً جانتے ہیں کہ یہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا تھا کیونکہ اس کا باپ یہودی تھا جس نے ایک مجوس کے ہاں پرورش پائی تھی اس لیے دو نسبتیں تھیں ایک یہود کی طرف اور ایک مجوس کی طرف ساتھی ہی یہ اور اُس کا گھرانہ سب ملحد تھے یہی لوگ اُن اسماعیلیہ فرقہ

والوں کے ائمہ ہیں جن کی بابت علماء نے کہا ہے کہ اُن کا ظاہر بر مذہب رفض ہے اور اُنکا باطن محض کفر ہے اُن کے بھید ظاہر کرنے اور اُن کا پردہ فاش کرنے اور دعوئ نسب اور دعوئ اسلام میں اُنکا جھوٹ ظاہر کرنے کے لیے علماء نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور یہ کہ یہ لوگ نسب اور دین میں نبی ﷺ سے بالکل علیحدہ ہیں اور یہ عبید اللہ بن میمون جسکا لقب مہدی تھا ۲۹۹ ھ میں اُس کا ظہور ہوا تھا اور ۳۲۴ ھ میں اُس کا انتقال ہو گیا تھا پھر اُس کی جگہ اُس کا بیٹا قائم ہوا پھر اُس کا بیٹا منصور ہوا پھر اُس کا بیٹا معز ہوا جس نے قاہرہ کو بنایا تھا پھر عزیز پھر حاکم پھر اُس کا بیٹا ظاہر پھر اُس کا بیٹا مستنصر اور یہ ایک مدت تک رہا، اسی کے زمانہ میں فتنہ سامری ہوا تھا اور اُس کے لیے بغداد میں ایک سال کامل اس نے خطبہ پڑھا تھا وہ ابن الصباح جس نے فرقہ اسماعیلیہ کے لئے تمکین بناڈالی تھی وہ بھی اِن ہی لوگوں کے اتباع میں سے تھا۔ دیار مصر میں اُن لوگوں کا زمانہ ۵۶۸ ھ میں ختم ہوا ہے۔ غرضیکہ یہ دو سو برس سے زیادہ اُس کے مالک رہے اور اُن کے الحاد اور اللہ و رسول کی مخالفت اور نفاق کی باتیں ان کی علماء میں مشہور ہیں وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ لا مھدی الا عیسی ابن مریم (یعنی مہدی عیسی بن مریم ہیں) جسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے وہ حدیث بھی ضعیف ہے۔

ائمہ معصومین: پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ یہ ائمہ فضلاء معصومین ہی ہیں جو کمال میں انتہاء درجہ کو پہنچ گئے ہیں اور ہمارے فرقہ کے لوگوں نے اوروں کی طرح ان لوگوں کو ائمہ نہیں بنایا جو ملک گیری اور قسم قسم کے معاصی لہو ولعب شراب خوری اور فسق و فجور میں مبتلا رہے ہیں یہاں تک کہ اُنہوں نے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بھی وہ وہ افعال کئے ہیں جن کو لوگ متواتر سنتے چلے آرہے ہیں۔ پھر شیعی علماء یہ گوہر افشانی کرتے ہیں کہ ہم میں اور اُن میں اللہ ہی فیصلہ کرے گا۔ اور سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا وہی ہے اور کہتے ہیں کہ کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے۔

اذا شئت ان ترضی لنفسد مذھبا	وتعلم ان الناس فی نقل اخبار
فدع عنک قول الشافعی ومالک	واحمد والمروی عن کعب احبار
ووال اناسا قولھم وحدیثھم	روی جدنا عن جبریل عن الباری

یعنی اگر تم اپنے لیے کوئی مذہب پسند کرنا چاہو اور یہ جانو کہ لوگوں کے نقل کرنے میں مختلف خبریں ہیں تو تم شافعی، مالک، احمد کے قول اور کعب احبار کی روایتوں کو چھوڑ دو اور اُن لوگوں کے ساتھ

رہو. جن کا قول اور حدیث اس طرح ہے کہ ہمارے نانا نے جبریل سے روایت کی ہے اور جبریل نے اللہ سے روایت کی ہے۔

جواب: اس کا جواب بھی چند طرح سے ہے اور تو یہ کہ اُن لوگوں میں عصمت کا دعوی کرنا اور انہیں معصوم کہنا اس پر اب تک کوئی دلیل بیان نہیں کی صرف یہ کہتے ہیں کہ اللہ پر واجب ہے کہ لوگوں کے لیے کوئی معصوم امام پیدا کرے تا کہ اُس کے مکلف کرنے میں لطف اور مصلحت ہو حالانکہ اس دلیل کا فاسد اور باطل ہونا کئی وجہ سے بیان ہو چکا ہے سب میں ادنی وجہ یہ ہے کہ یہ مفقود ہے موجود نہیں کیونکہ ایسا معصوم امام کوئی نہیں پایا جاتا جس کے باعث لطف اور مصلحت حاصل ہو دوسری وجہ یہ ہے کہ جیسا شیعی علماء کا خیال ہے کہ ان میں سے ہر ایک کمال میں انتہاء درجہ کو پہنچ گیا ہے۔ تو یہ قول بلا دلیل ہے اور بلا دلیل قول میں ہر کوئی اسی جیسے قول سے مقابلہ کر سکتا ہے اور جب کوئی اسی کمال کا ان لوگوں میں ہونے کا دعویٰ کرے جو علم اور دین میں عسکرین وغیرہ سے زیادہ مشہور ہیں یعنی صحابہ اور تابعین اور ائمہ مسلمین تو اُس وقت یہ دعوی بدرجہ اولیٰ قبول ہوا۔ جس نے لوگوں کے اخبار اور احوال کا مطالعہ کیا وہ یقیناً جانتا ہے کہ فضائل علمیہ و دینیہ جو تمام ائمہ سے متواتر مروی ہیں اور اُن فضائل سے زیادہ ہیں جو عسکرین وغیرہ سے مروی ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے اگر ائمہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو صاحب سلطنت، صاحب حکومت اور صاحب شمشیر تھے تو یہ محض جھوٹ ہے کیونکہ شیعہ اس کے مدعی نہیں ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ ائمہ ظالموں کے آگے مغلوب اور عاجز تھے. سوائے علی بن ابی طالب کے اور کسی میں اُن میں سے امامت کی قدرت نہیں ہوئی۔ باجود یہ کہ ان پر بھی بڑی بڑی دشواریاں پیش آئیں اور نصف امت یا اُس سے کچھ کم و زیادہ نے اُن سے بیعت نہیں کی بلکہ اُن میں اکثر آپ سے لڑے اور آپ اُن سے لڑے۔ اور بہت سے ایسے بھی تھے کہ نہ وہ آپ سے لڑے اور نہ آپ کا ساتھ دیا بلکہ وہ اس بارے میں ساکت رہے حالانکہ ان میں ایسے مسلمان فضلاء تھے کہ جو حضرت علی کے بھی ساتھ نہ تھے بلکہ جنہوں نے آپ کا ساتھ دینے اور آپ کے ساتھ لڑنے دونوں سے گریز کی وہ ان لوگوں سے بہت افضل تھے۔ جو آپ کے ساتھ لڑے یا آپ کا ساتھ دیا اور اگر ان کی مراد اس سے یہ ہے کہ اُن میں علم اور دین اس

قدرتھا کہ اُس کی وجہ سے وہ ائمہ ہونے کے مستحق تھے تو یہ دعویٰ صحیح ہونے پر بھی اُن کے ائمہ ہونے کو ضروری ثابت نہیں کرتا تا کہ لوگوں پر اُن کی طاعت واجب ہو جیسا کہ آدمی کا یہ استحقاق کہ وہ کسی مسجد کا امام ہو اُسے امام نہیں کر دیتا اور جیسا کہ کسی کا یہ استحقاق کہ وہ قاضی ہو اُسے قاضی نہیں بنا دیتا۔ اور جیسا کہ کسی کا یہ استحقاق کہ وہ جرنیل ہو اُسے جرنیل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ نماز اُسی کے پیچھے ہوتی ہے جو بالفعل امام ہو نہ کہ اُس کے پیچھے کہ جو امام ہونے کے لائق ہو اور اسی طرح لوگوں میں وہی فیصلہ مقدمات کیا کرتا ہے جو فی الحال قاضی یا حاکم ہو نہ وہ کہ جو قاضی یا حاکم بننے کا مستحق ہو اسی طرح لشکر اُس شخص کے حکم سے لڑتا ہے جو اس پر افسر ہو نہ کہ اس کے حکم سے جو افسر نہ ہو اگر چہ افسر ہونے کا مستحق ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس فعل میں قدرت شرط ہے۔ پس جس شخص میں ولایت اور امامت کی قدرت نہ ہوگی وہ امام نہیں ہوگا جب تک کہ اُس میں قدرت نہ آ جائے اگر چہ وہ اپنے کو مستحق کیوں نہ سمجھتا ہو۔ پس ایک شے کا مشروع ہونا ممکن ہونا یا اس کا امکان ضروری ہونا ہی نفس متمکن نہیں ہے امام وہ ہوتا ہے جو متمکن قادر ہو حالانکہ اُن میں سوائے حضرت علی کے کوئی ایسا نہیں ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ اُن سے پوچھا جائے کہ تم استحقاق سے کیا مراد لیتے ہو آیا تمہاری یہ مراد ہے کہ سارے قریش کو چھوڑ کر اُن میں سے فقط ایک آدمی کو امامت کا والی بنا دینا واجب تھا یا یہ مراد لیتے ہو کہ جو لوگ خلافت کے قابل اور حقدار تھے اُن میں سے ایک اُن میں کا بھی ہے۔ اگر پہلے مراد لیتے ہو تو یہ ممنوع اور مردود ہے اور اگر دوسرے معنی مراد لیتے ہو تو یہ اس میں اور قریش کی تمام مخلوق میں قدر مشترک ہے جس میں تعیین کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

پانچواں جواب: یہ ہے یہ کہا جائے کہ امام وہ ہوتا ہے جس کی لوگ اقتدا کرتے ہوں اور اُس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ علم اور دین میں ایسا مرجع و ماب ہو کہ مطیع لوگ اپنے اختیار سے اُس کی اِس لئے اطاعت اور اقتداء کرتے ہیں کہ وہ اللہ بزرگ و برتر کے حکم کا عالم اور اُس کا آمر ہے۔ اسی وجہ سے مطیع اُس کی اطاعت کرتے ہیں اگر چہ وہ خود اُنہیں اپنی طاعت میں لانے سے عاجز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ صاحب حکومت ہو مطیع کو طاعت کے بجالانے پر ایسا قادر ہو کہ لوگ خوشی اور ناخوشی میں مجبوراً اُس کی اطاعت کریں۔ اللہ فرماتا ہے۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ

وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ تو یہاں اولی الامر کی تفسیر صاحب حکومت کے ساتھ بھی کی گئی ہے۔اور اہل علم اور دین دار کے ساتھ بھی کی گئی ہے۔ یہ دونوں تفسیریں حق ہیں یہ دونوں وصف خلفاء راشدین میں کامل درجہ کے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ علم، عدل، سیاست، سلطنت سب میں کامل تھے۔ اگرچہ پھر ان میں بعض بعض سے اور بھی زیادہ اس میں کامل تھے۔ چنانچہ صدیق اکبراور فاروق اعظم اس بارے میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے زیادہ کامل تھے۔ پھر اُن کے بعد ان اُمور میں سوائے عمر بن عبدالعزیز کے اور کوئی کامل نہیں ہوا بلکہ کبھی آدمی علم اور دین میں کامل ان لوگوں میں سے ہوتا ہے جن کے قبضہ میں حکومت ہو اور کبھی حکومت میں وہ زیادہ کامل ہوتا ہے جو بڑا عالم اور زیادہ دین دار ہو۔ اب ان لوگوں کے ائمہ ہونے سے اگر یہ مراد لیجائے کہ یہ صاحب حکومت تھے تو یہ بالکل غلط ہے اور اس کے تو خود شیعہ بھی قائل نہیں ہیں یا یہ مراد ہے کہ یہ لوگ باوجود دوسروں کو طاعت کا فرمان دینے سے عاجز ہونے پر بھی علم اور دین میں امام تھے۔ لوگ ان کی اطاعت کرتے تھے یہ وصف ان لوگوں میں قدر مشترک ہے جو ان صفات کے ساتھ متصف ہیں۔ اور اس کے بعد یا تو یہ کہا جائے گا کہ اُن کے زمانہ میں وہ لوگ بھی تھے جو اُن سے زیادہ عالم اور دیندار تھے کیونکہ جو علم کی باتیں اوروں سے منقول ہیں وہ اُن کی منقولات سے کئی گناہ زیادہ ہیں علی ہذا القیاس۔ امت میں جو اُن کے آثار ہیں اوروں کے آثار اُن سے زیادہ ہیں اور جو لوگ اُن میں متقدمین ہیں جیسے علی بن حسین اور اُن کے بیٹے ابی جعفر اور اُن کے بیٹے جعفر بن محمد ان سے تو ایک محدود علم منقول ہوا ہے اور اُن کے سوا اوروں سے بے انتہاء علوم منقول ہوئے ہیں باقی جو لوگ ان متقدمین کے بعد ہوئے ہیں اُن سے تو اور بھی بہت ہی کم علم منقول ہے نہ اُن میں سے کسی کا اُن لوگوں میں ذکر ہے جو روایت حدیث، فتاوی بیان کرنے میں مشہور علما ہیں باقی جو اُن کے محاسن اور مناقب ذکر کئے جاتے ہیں تو ایسے محاسن اور باقی امت کے لوگوں میں اکثروں میں موجود ہیں اُن کی ان میں کوئی خصوصیت نہیں ہے یا یہ کہا جائے کہ علم اور دین میں یہ ساری امت سے افضل ہیں لیکن ان دونوں تقدیر پر اس اعتبار سے اُن کی امامت میں اہل سنت کا نزاع نہیں ہے کیونکہ اس امر پر سب اہل سنت بھی متفق ہیں کہ ایسے شخص کی اقتداء کرنی چاہیے جو اللہ کی طاعت کا امر کرے اور اللہ کے دین کی طرف بلائے اور خود بھی ایسے افعال کرتا ہو جو اللہ کو پسند ہوں۔ پس جب یہ لوگ اعمال خیر کریں گے اور لوگوں کو

اُس کی ترغیب دیں گے تو اِس بارے میں یہ بیشک ائمہ ہوں گے. اس میں اُن کی اقتاد کی جائے گی. اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ (یعنی اور ہم نے اُن میں سے ائمہ (یعنی پیشوا) پیدا کئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے جبکہ اُنہوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔) حضرت ابراہیم السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا. (یعنی لوگوں کے لیے میں تمہیں پیشوا کرنے والا ہوں) حالانکہ اللہ نے اُنہیں تلوار نہیں دے دی تھی کہ اُس سے وہ تمام لوگوں سے جنگ کرتے. بلکہ اُنہیں ایسا قابل بنا دیا تھا کہ لوگوں پر اُن کا اتباع کرنا واجب تھا خواہ انہوں نے اُن کا اتباع کیا یا نہ کیا پس ائمہ بھی دین کے بارے میں اُن ہی کی طرح ہیں اور اُن ائمہ کی امامت کے اہل سنت بھی ان امور میں مقر ہیں کہ جن میں شریعت اُن کے امام بنانے پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ یہی حکم ان ائمہ کے اِمثال سابقین اولین میں سے ابوبکر عمر، عثمان، ابن مسعود، ابی بن کعب، معاذ، ابی الدرداء وغیرہ کے لیے ثابت ہے اور جیسا کہ سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار، عبید اللہ بن عبداللہ، عروہ بن زبیر. قاسب بن محمد، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، خارجہ بن زید کے لیے ثابت ہے یہ لوگ مدینہ منورہ کے فقہا ہیں اور اسی طرح علقمہ اسود بن زید، اسامہ، محمد بن سیرین، حسن بصری اور جیسے کہ سالم بن عبداللہ بن عمر، ہشام بن عروہ، عبدالرحمٰن بن قاسم، زہری، یحیٰی بن سعید انصاری، ابی الزناد اور جیسے کہ امام مالک، اوزاعی لیث بن مسعود، ابی حنیفہ، شافعی، احمد، اسحٰق ابن ابراہیم وغیرہ ہیں. ہاں ان میں بعض کے فتوے اور حدیثیں بھی بعض سے زیادہ ہو جاتی ہیں. پھر کثرتِ علم اور استدلالی قوت ہونے کی وجہ سے اُن کی خود ہی شہرت ہو جاتی ہے۔ ورنہ اہل سنت یہ نہیں کہتے کہ یحیٰی بن سعید، ہشام بن عروہ اور ابوالزناد کا اتباع جعفر بن محمد کے اتباع کرنے سے اولی ہے نہ یہ کہتے ہیں کہ زہری یحیٰی بن ابی کثیر، حماد بن ابی سلمہ، سلیمان بن یسار، منصور بن معتمر کا اتباع کرنا اُن کے باپ ابی جعفر باقر کے اتباع کرنے سے بہتر ہے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ قاسم بن محمد، عروہ بن زبیر، سالم بن عبداللہ کا اتباع کرنا علی بن حسین کے اتباع سے بہتر ہے بلکہ ان میں سے ہر واحد جو کچھ روایت کرے اُس میں ثقہ اور قابل تصدیق ہے. ہاں جس وقت یہ کوئی فتوىٰ دیں اور دوسرا کوئی اُن کے خلاف کہے تو اس نزاع کو اللہ اور اُس کے رسول پر پیش کریں گے. چنانچہ یہی اُس کا حکم بھی ہے اور یہ

ہی اللہ اور رسول کا حکم اِن سب لوگوں میں ہے۔ اور یہی طریقہ تمام مسلمانوں کا حضور انور اور راشدین صحابہ کے زمانہ میں رائج تھا۔

چھٹا جواب: شیعی علماء کا یہ کہنا کہ امامیہ نے اوروں کی طرح ان لوگوں کو ائمہ نہیں ٹھہرایا جو ملک گیری اور معاصی میں مبتلا رہے ہیں یہ بالکل غلط اور جھوٹ ہے۔ ہم دریافت کرتے ہیں اگر اُن کی مراد یہ ہے کہ اہل سنت اس کے قائل ہیں کہ اُن بادشاہوں کا اقتدا ان اُمور میں کیا جائے جو معاصی ہیں تو یہ اہل سنت پر اتہام ہے کیونکہ علماء اہل سنت جو اہل سنت کے نزدیک علم میں مشہور ہیں وہ سب اس پر متفق ہیں کہ خدا کی معصیت میں کسی کی اقتدا نہ کی جائے نہ اس حالت میں اُسے امام سمجھا جائے۔ اور اگر اُس کی مراد یہ ہے کہ اطاعت خداوندی میں جہاں کہیں ضرورت ہوتی ہے اہل سنت ایسے بادشاہوں سے اپنی اعانت کراتے اور امداد لیتے ہیں اور اللہ کا طاعت کرنے میں یہ اُن کی امداد کرتے ہیں تو شیعوں سے کہا جائے گا کہ اگر اس اعتبار سے بھی ائمہ بنانے میں خرابی ہے تو شیعہ اہل سنت سے اس میں زیادہ مبتلا ہیں۔ کیونکہ یہ اپنے مطلب کی باتوں پر ہمیشہ کفار اور فجار سے امداد لیتے ہیں اور کفار اور فجار کی بہت سی حاجتوں میں مدد کرتے ہیں۔ اس امر کا ہر جگہ اور ہر زمانہ میں مشاہدہ کیا گیا ہے نصیر الدین طوسی نے کفار سے سازش کر کے جس بیدردی سے مسلمانانِ بغداد کا قتل عام کرایا ہے اُس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

ساتواں جواب: یہ ہے کہ جو ائمہ ایسے ہوں جن کا امامیہ نے اپنی کتابوں میں ذکر اور اُن کی عصمت کا دعویٰ کیا ہے لیکن نہ اُن کے پاس سلطنت ہے تا کہ اُس کی وجہ سے امامت کے مقاصد پورے ہوں۔ نہ اللہ کی طاعت میں اُن کا اقتدا کرنا کافی ہوتا ہے اور جہاں اعانت کی ضرورت ہو نہ وہاں اعانت ملتی ہے پس جب اُن کے پاس نہ ملک ہے نہ سلطنت ہے تو اُن کے پیچھے نہ کوئی جمعہ پڑھ سکتا ہے نہ جماعت کرا سکتا ہے نہ یہ جہاد اور حج میں امام ہو سکتے ہیں نہ اُن کے حکم سے حدود جاری ہو سکتی ہیں نہ یہ مقدمات کا فیصلہ کر سکتے ہیں نہ اُن کے ذریعہ سے کوئی اپنے اُن حقوق کو لے سکتا ہے جو لوگوں کے ذمہ ہوں یا بیت المال میں ہوں نہ اُن کی وجہ سے راستہ میں امن ہو سکتا ہے کیونکہ ان سب امور میں ایک ایسے صاحب شوکت اور قادر کی ضرورت ہے جس کے ساتھ یہ قائم ہوں پھر قادر اس بارے میں وہی ہو سکتا ہے جس کے بہت سے لوگ اس پر مددگار رہوں حالانکہ یہ لوگ جنہیں شیعہ ائمہ

اور پیشوا ٹھہراتے ہیں اس پر ہرگز قادر نہ تھے بلکہ اُس پر دوسرے قادر تھے۔ لہٰذا جو شخص اِن امور کو کسی عاجز امام کے پاس تلاش کرے گا تو وہ یقیناً جاہل ظالم ہوگا۔ اور جو شخص ان امور پر ایسے آدمی سے اعانت چاہے گا جو اُن پر قادر ہو تو وہ بے شک مہتدی اور مصیب ہوگا کیونکہ یہ اپنے دین و دنیا دونوں کی بھلائی حاصل کرتا ہے اور وہ پہلا شخص دین و دنیا دونوں کو برباد کرتا ہے۔

آٹھواں جواب: تمام خلفاء کی بابت شراب خوری اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے کا دعویٰ کرنا اُن پر جھوٹ بولنا ہے اور جو حکایتیں اس بارے میں منقول ہیں اُن میں بھی بہت سا جھوٹ ہے حالانکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان میں بہت سے عادل اور زاہد تھے جیسے کہ عمر بن عبدالعزیز اور مہتدی باللہ اور خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس میں اکثر خلاف شرع امور نہیں کرتے تھے اور اگر کوئی ان میں بعض گناہوں میں مبتلا ہو گیا وہیں توبہ کر لیتا تھا۔ اس کی نیکیاں اس قدر ہوتی تھیں جو سیئات مٹا دیتی تھیں اور کبھی وہ ایسی تکلیفوں میں مبتلا ہو جاتا تھا جو اُن گناہوں کا کفارہ ہو جاتی تھیں بات یہ ہے کہ اُن خلفاء کے حسنات سیات سے زیادہ ہوتے تھے اور اگرچہ اُن میں سے کسی کے گنہ اور معاصی ایسے ہوں کہ وہ ہر مسلمان کے لیے نہیں ہو سکتے کیونکہ اُن کی حسنات بھی ایسے ہوتی تھیں کہ وہ ہر ایک کے لیے نہیں ہو سکتیں مثلاً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔ حدود جاری کرنا، دشمن سے جہاد کرنا، مستحقین کو اُن کے حقوق دِلا دینا، ظلم نہ کرنے دینا، عدل و انصاف قائم کرنا ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ سب اِن اُمور سے بالکل بری تھے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ بعض مسلمانوں سے ظلم اور معاصی کا ہونا خواہ وہ اولی الامر سے ہو یا عام لوگوں سے اس بات سے مانع نہیں ہے کہ اللہ کی طاعت کرنے میں اُن کے ساتھ شرکت کی جائے اور اُن کا ساتھ دیا جائے اور اہلسنت بھی دلالۃ امور کی موافقت اللہ کی اطاعت ہی میں کرنے کو کہتے ہیں نہ کہ معصیت میں اُس شخص پر کچھ برائی نہیں ہے جو اللہ کی اطاعت میں موافقت کرے جس وقت کہ معصیت میں یہ اُس سے علیحدہ رہے اُس میں اُس کا شریک نہ ہو۔ جیسا کہ کسی نے بہت سے لوگوں کے ساتھ حج کیا اور اُن کے ساتھ ہی وقوف عرفات اور طواف بھی کیا تو اُن حاجیوں میں بعض سے گناہ اور ظلم ہونا اُسے مضر نہ ہوگا کیونکہ یہ اُن میں اس سے الگ تھا خلاصہ یہ ہے کہ ولاۃ امور بمنزلہ اور لوگوں کے ہیں جو اللہ کی طاعت کرنے میں شریک ہوتے ہیں مگر معصیت کرنے میں شریک نہیں ہوتے۔ یہی طریقہ اہل

بیت کا اپنے سے غیر لوگوں کے ساتھ تھا۔پس جس نے اس بارے میں اُنکا اتباع کیا وہی اُن کا اقتدار کرنے والا ہے نہ وہ کہ جو سابقین اولین سے بیزار رہا اور تمام اہل علم اور اہل دین سے علیحدگی رکھی اُن کے دشمن یعنی کفار اور منافقین کا ساتھ دیا۔

نواں جواب: یہ ہے کہ ایک ایسا امام قادر جس کی وجہ سے لوگوں کی اکثر مصلحتوں کا انتظام ہوتا ہو راستوں میں امن قائم ہو۔جس کے حکم سے حدود جاری ہوتی ہوں۔ظلم دفع ہوتے ہوں وہ فوائد حاصل ہوتے ہوں جو دشمن سے جہاد کرنے سے ہوتے ہیں۔حقداروں کے حقوق پہنچتے ہوں یہ اس معدوم امام سے بہتر ہے۔جس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔شیعہ ایک معصوم امام کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن باطن میں اُن کے نزدیک سوائے معدوم امام کے اور کچھ بھی نہیں خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت کے ائمہ کی نسبت جو ظلم اور معاصی ان شیعوں نے فرض کر رکھے ہیں۔اگر انہیں بفرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یہ ائمہ اُن ائمہ طاہرین سے بہتر ہوں گے۔جن پر شیعہ اعتماد کیئے بیٹھے ہیں اور اُس معدوم امام سے بھی بہترین جس کا کہیں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ہاں باقی ائمہ جو پہلے موجود تھے۔اُن کا اقتدا اہل سنت بھی کرتے ہیں جیسا کہ اُن کے مثل اوروں کا کرتے ہیں پس یہ اور اُن کے امثال ائمہ ہیں اور جس نے تمام مسلمانوں میں سے ان کا اور اُن کے امثال کا اقتدا کیا وہ اُن لوگوں سے بدر جہا بہتر ہے جنہوں نے فقط اُن ہی کا اقتدار کیا کیونکہ علم روایت، اور درایت دونوں ہیں۔لہٰذ جس مسئلہ کی طرف علماء زیادہ ہوں گے اور سب کا اس پر اتفاق ہوگا تو اتباع کرنے میں وہی اولی اور قوی ہے۔اسی لیے شیعوں میں جو اچھی بات ہے اہل سنت اُس میں اُن کے ضرور شریک ہیں اور جو اچھی بات خاص اہل سنت میں ہے۔شیعہ اُس میں اُن کے شریک نہیں ہیں۔

دسواں جواب: یہ ہے کہ شیعہ علماء نے یہ جو کچھ ذکر کیا ہے۔اہل سنت میں سے ہر واحد اُس کا معارضہ اُس سے کرسکتا ہے جو اُس کے قول سے بھی زیادہ قوی ہو کیونکہ سنی کا قول تو اِن لوگوں سے مروی ہوتا ہے جیسے سعید بن مسیب، علقمہ، اسود، حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، محمد بن سیرین، مطرف بن شخیر، مکحول، قاسم بن محمد، عروہ بن زبیر، سالم بن عبداللہ اور اُن کے علاوہ اور تابعین اور تبع تابعین یہ لوگ دین کے اُن امور میں ائمہ اور پیشوا ہیں جن میں اُن کی اقتدا کرنی ممکن ہے اب رہے علی

بن حسین اُن کے صاحبزادے اور جعفر بن محمد وغیرہ اسی اعتبار سے اہل سنت نے ان کا بھی اور ان کے ساتھ اُن لوگوں کا بھی اقتداء کیا ہے جو علم وزہد میں اُن کے شریک اور برابر ہیں۔ بلکہ وہ اُن سے بھی زیادہ عالم اور زاہد ہیں اور جہاں اہل سنت نے اہل معاصی میں سے کسی کو امام بنایا ہے تو شیعوں نے اہل معاصی میں اُس سے بھی بدتر کو امام بنایا ہے لہٰذا شیعوں سے اہل سنت ہر طرح اچھے ہیں۔

گیارھواں جواب: یہ ہے شیعی علماء کا یہ قول کہ بس ہم میں اور اُن لوگوں میں اللہ ہی فیصلہ کرے گا وہی سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے ہم یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ تو اُن میں دنیا ہی میں فیصلہ کر چکا ہے یعنی اُس نے وہ دلائل اور بینات ظاہر کر دیے ہیں جن سے اہل حق تم پر غالب آتے ہیں۔ پس یہ لوگ حجت اور بیان ہات اور زبان ہر طرح سے تم پر غالب ہیں۔ جیسا کہ اُس نے اپنے نبی کے دین کو تمام ادیان پر غالب کیا ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ. (یعنی وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اُسے تمام دینوں پر غالب کرے اگر چہ مشرک ناخوش ہوں) یہ دین اللہ، بلا اہل سنت کے کبھی دوسرے ادیان پر غالب نہیں آیا۔ جیسا صدیق اکبر و فاروق اعظم اور عثمان غنی کی خلافت کے زمانہ میں غلبہ ہوا آج تک کسی دین کو بھی ایسا غلبہ نہیں ہوا۔ اب رہے علی باوجود یہ کہ آپ خلفاء راشدین اور سادات سابقین اولین میں تھے۔ لیکن آپ کی خلافت میں اسلام کو غلبہ ہوتا تو کجا مسلمانوں میں ہی وہ تلوار چلی کہ الٰہی توبہ غرض اِس تاریخ سے مسلمانوں کی باہمی جنگ وجدل کی بنیاد پڑ گئی پھر علی کے بعد سوائے اہل سنت نہ کوئی اور کسی گروہ میں مشہور عالم دین دار نکلا اور نہ کوئی ایسا قوی شمشیر زن پیدا ہوا جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اسلام کی مدد کرتا۔ اب رہے شیعہ اُنہوں نے یا تو دشمنان اسلام کی معاونت کی اور یا طاغتین کی مدد سے تمسک کیا حالانکہ اس میں شک نہیں کہ قیامت کے دن جس طرح اللہ تعالےٰ مسلمانوں اور کافروں میں فیصلہ کرے گا اسی طرح مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین اور اولین اور آخرین میں سے جنہوں نے اُن کے ساتھ عداوت رکھی ہے اُن میں فیصلہ کرے گا۔

بارھواں جواب: یہ ہے یہ کہا جائے کہ یہ ظلم کس کی طرف سے ہوا اگر تم یہ کہتے ہو کہ جن لوگوں نے تمہارے خیال میں علی پر ظلم کیا تھا جیسے ابوبکر وعمر تو اس کا جواب یہ ہے کہ دعوے دار اس بارے میں

علی ہی تھے حالانکہ وہ مر چکے ہیں جیسے کہ ابوبکر و عمر مر چکے ہیں اور اب اس امر کو نہ ہم سے تعلق ہے اور نہ تم سے ہاں حق کو بیان کر دینے اور اہل حق کا ساتھ دینے کے طور پر ہم تم گفتگو کر سکتے ہیں۔ اور ہم تو کئی بارہ کے ساتھ یہ بات ظاہر کر چکے ہیں کہ اس امت میں عدل و انصاف کے اندر ابوبکر و عمر اپنے ماسوا سب سے اولی اور لائق ہیں۔ علی ہذا القیاس۔ ظلم سے بھی سب سے زیادہ بچنے والے ہیں۔ دوسری یہ بات کہ علی کا یہ عقیدہ ہر گز نہ تھا کہ ساری امت کا امام میں ہی ہوں یہ دونوں نہیں ہیں جیسا کہ اس بیان کو انشاء اللہ تعالیٰ ہم اُس کے موقع پر ذکر کریں گے اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ ہم اُن بادشاہوں کے ظلم کے شاکی ہیں۔ جنہوں نے اُن کی امامت کے حقوق نہیں دیے تو تمہارا یہ کہنا اس پر متفرع ہے کہ یہ بارہ امام خود بھی امامت کے طالب تھے یا یہ اس بات کا اعتقاد رکھتے تھے کہ امت کے معصومین ائمہ ہم ہی ہیں حالانکہ یہ اُن لوگوں پر اتہام ہے اس کے علاوہ خواہ یہ سچ ہو یا جھوٹ ان دونوں گروہوں میں اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرے گا اگر یہ ایک دوسرے کے مخالف ہوں۔ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (یعنی اے نبی) کہو کہ اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے نہاں و آشکار کے جاننے والے تو اپنے بندوں کے درمیان میں اُس چیز میں فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔ اور اگر ان بادشاہوں کی ظلم کی شکایت ہے کہ ان کے اور اُن ائمہ کے درمیان ولایت اور مال کی بابت جھگڑا رہا ہے تو اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب میں ایسا فیصلہ کرے گا جیسا کہ وہ اور باقی مقدمے والوں میں کرے گا۔ کیونکہ فقط شیعہ کا آپس ہی میں اس قدر جھگڑا اور اختلاف ہے کہ جو اہل سنت کے تمام فرقوں سے بڑا ہوا ہے۔ اور بنی ہاشم کی آپس کی لڑائیاں کیا قیامت میں فروگزاشت ہو سکتی ہیں؟ اسکے علاوہ بنی حسن اور بنی حسین میں بھی ایسی لڑائیاں ہوئی ہیں جو آجکل اس زمانہ کے لوگوں میں ہوتی ہیں اور وہ لڑائیاں جو اخیر زمانہ میں بعض بنی ہاشم اور بعض دوسرے فرقوں میں ہوئی ہیں۔ یہ اُن لڑائیوں سے زیادہ ہیں جو شروع زمانہ میں بعض بنی امیہ اور بعض بنی ہاشم میں ہوئی تھیں۔ دیکھو زمانوں میں سب سے بہتر زمانہ وہ زمانہ تھا جس میں حضور انور مبعوث ہوئے۔ پھر اسکے بعد وہ لوگ جو اُن کے بعد ہوئے اور اُنکے بعد وہ جو اُنکے بعد ہوئے۔ پس ان زمانوں میں بھلائی سب زمانوں سے زیادہ تھی اور

بُرائی اُن کے بعد کے زمانوں میں زیادہ ہے اور اگر یہ ظلم کی شکایت اُن علماء اور دیندار لوگوں کی ہے جنہوں نے نہ کسی پر خود ظلم کیا اور نہ کسی ظالم کی مدد کی۔ بلکہ وہ احکام بیان کر دیئے۔ جن کا بیان کرنا علما اُنپر واجب تھا اور ان دلائل پر عمل کرنے کی رُو سے جو حق الامر کی کاشف تھیں۔ اُنپر اُن کا بیان کر دینا لازم تھا جسے ذرا بھی عقل ہوگی اُسے اس میں شک نہیں ہوگا کہ جس نے امام مالک، اوزاعی، ثوری، امام ابوحنیفہ، لیث بن سعد، امام شافعی، امام احمد، امام اسحٰق جیسے لوگوں کو ہشام بن حکم اور ہشام بن سالم جیسے لوگوں کے یا اُن ہی جیسے شیعوں کے شیوخ کے برابر سمجھا وہ بیشک سب ظالموں سے بڑھ کر ظالم ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جسے قدر زمین یعنی نغمی اور کرکجی وغیرہ کو ابی علیٰ ابی ہاشم، قاضی عبدالجبار، ابی الحسین بصری کے برابر خیال کیا وہ بھی سب سے بڑھ کر ظالم ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل سنت کے جتنے بھی فرقے ہیں جس وقت تم اُن کی پڑتال اور تحقیق کرو گے تو شیعوں کے تمام فرقوں سے زیادہ عالم عادل جہل وظلم سے بہت دور پاؤ گے۔ کیونکہ اُن میں اگر کوئی کسی ظالم کا معاون ہوتا ہے تو شیعوں میں اُس سے بھی زیادہ معاون نکلتا ہے۔ اور شیعہ میں اگر کوئی ظلم کرنے سے بچتا اور عادل ہوتا بھی ہے تو اہل سنت میں اس سے بہت زیادہ عادل ہوتے ہیں اور یہ ایسا ظاہر امر ہے کہ اگر کسی کو کچھ بھی عقل ہو وہ اُسے آنکھوں، کانوں غرض سب طرح سے معلوم کر سکتا ہے۔

تیرھواں جواب: یہ ہے کہ یہ اشعار جنہیں شیعی علماء نے اپنا شاہد بنایا ہے اور اُنہیں بہت اچھا سمجھا ہے تو یہ بھی ایک غلط تخیل ہے کیونکہ اہل سنت سب اس پر متفق ہیں کہ جو اُن کے نانا جبریل سے اور جبریل اللہ سے نقل کریں وہ ضرور قابل تسلیم ہوگا بلکہ یہ لوگ تو اس قول کو بھی قبول کرتے اور دل و جان سے مانتے ہیں جو فقط حضور انور علیہ السلام کا ہی ہو اور اُس پر اٰمنّا کہتے ہیں۔ یہ بھی آپ سے نہیں پوچھتے کہ آپ نے یہ کہاں سے معلوم کیا ہے کیونکہ اُنہیں اس بات کا یقین ہے کہ حضور انور معصوم ہیں۔ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے بلکہ جو کہتے ہیں وہ وحی ہی ہوتی ہے۔ باقی اُن کا نام اہل سنت فقط اس لیے ہے کہ یہ حضرت کی سنت کا اتباع کرتے ہیں لیکن ہاں اُن کے نانا سے جو روایت ہو اُس کے بجھنے کی بے شک اُنہیں ضرورت ہے۔ اس لئے وہ اس علم کو ثقات سے دریافت کرتے ہیں اگر علومین سے کوئی بات معلوم ہو جاتی ہے تو اُن سے حاصل کر لیتے ہیں اور اگر اوروں سے ملتی ہے تو اُن سے حاصل

کر لیتے ہیں باقی وہ صرف اس کہنے پر کہ اُن کے نانا حضرت جبرئیل سے روایت کرتے ہیں اور جبریل اللہ سے وہ بلا حجت وثبوت قناعت نہیں کرتے۔ صاف ظاہر ہے جب یہ اُسے سمجھیں گے نہیں تو اس پر کیونکر یقین کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ امام مالک امام شافعی امام احمد وغیرہ کے اقوال کو اسی لیے لیتے ہیں کہ اُن کے اقوال حضور انور کے لاوے ہوئے احکام کے ساتھ منطبق ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ حضور انور کے لائے ہوئے احکام کے سب سے زیادہ عالم ہیں اسی واسطے مسلمان ان کا زیادہ اتباع کرتے ہیں۔ ورنہ اُنہیں ان کی تعظیم کرنے کی کیا ضرورت تھی مگر اکثر حدیثیں جن میں یہ ائمہ روایت کرتے ہیں اُن ہی کی طرح دوسرے بھی جواب دیتے ہیں باقی ان میں سے کسی کو اہل سنت معصوم نہیں سمجھتے تا کہ اُس کے قول کا اتباع کرنا واجب ہو بلکہ جب کسی مسئلہ میں اُن کا اختلاف اور نزاع ہوتا ہے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرتے ہیں اب رہے بنی ہاشم اُن میں تم اکثر کو دیکھو گے کہ نہ حافظ قرآن ہوتے ہیں نہ حضور انور صلی اللہ علیہ سلم کی حدیث سے واقف ہوتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ نہ اُن کے معانی سمجھتے ہیں ایسی حالت میں جب وہ کہیں کہ یہ ہمارے نانا نے جبرائیل سے اور جبرائیل نے اللہ سے نقل کیا ہے تو جواب دیا جائے گا کہ تم بالکل جھوٹے ہو بلکہ یہ لوگ اُن احکام کو تم سے زیادہ جانتے ہیں جو تمہارے نانا نے جبریل سے نقل کئے ہیں اور تم بھی اس بارے میں ان ہی کی طرف رجوع کرتے ہو ظاہر ہے جب بنی ہاشم کے اولین اور آخرین سب دوسروں سے حضور انور کے بعض احکام سیکھتے ہیں جو بنی ہاشم نہیں تھے تو یہ اس امر کی صاف دلیل ہے کہ خود وہ مثل دوسروں کے اپنے نانا کے اقوال سے بے بہرہ ہیں۔ اب بتاؤ کہ لوگ کس کا اقتداء کرتے ہیں۔ اور کس کے قول کو لے آیا اُس کے قول کو لیں جو نہیں جانتا۔ حالانکہ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔ کیونکہ انبیاء ورثہ میں درہم و دینار نہیں چھوڑا کرتے بلکہ اُن کا ورثہ علم ہی ہوتا ہے لہٰذا جس نے علم حاصل کر لیا اُس نے بڑا حصہ لے لیا اگر شیعی علماء کہیں کہ ہماری مراد ائمہ اثنا عشر ہیں تو اس کا جواب یہ ہے۔ کاش ائمہ اثنا عشر اپنے نانا جان کا علم حدیث جانتے تو پھر پیٹنا ہی کیا تھا ضرورت کیا تھی کہ مالک شافعی، اور احمد کے پاس لوگ علم رسول سیکھنے جائیں اور علی بن حسین اور ابو جعفر کی طرف رخ نہ کریں کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ یہ لوگ علم رسول غیروں سے خود ہی سیکھتے ہیں اُن میں رکھا ہی کیا ہے۔ اس کے علاوہ اگر اُنہوں نے دو حدیثیں

نقل کیں تو دوسروں نے اُن سے دُگنی تگنی یہی وجہ ہے کہ اہل دین موسیٰ بن جعفر کو چھوڑ کے انس کے پاس جاتے حالانکہ یہ ایک ہی شہر اور ایک ہی زمانہ میں تھے اگر لوگوں کو موسیٰ بن جعفر سے علم رسول حاصل ہو جاتا تو وہ امام مالک کے پاس کیوں جاتے حالانکہ نفس بنی ہاشم بھی علم رسول کو مالک بن انس سے ہی اُس کی نسبت زیادہ حاصل کرتے ہیں جو اپنے چچا زاد بھائی موسیٰ بن جعفر نے حاصل کرتے ہیں (پھر امام شافعی امام مالک کے بھی بعد ہوئے ہیں اور یہ نسبت میں بھی امام مالک کی نسبت بنی ہاشم سے زیادہ قریب تھے اور علم رسول کو اپنے چچا کی اولاد وغیرہ سے سیکھنے میں سب سے زیادہ شائق تھے مگر جب یہ بنی ہاشم میں سے کسی میں بھی اس سے زیادہ علم پاتے جو اُنہوں نے امام مالک سے پایا تو سب لوگوں سے زیادہ اُس کے حاصل کرنے میں جلدی کرتے پھر جب یہ خود اس بات کو مقر ہیں کہ میں نے امام مالک اور سفیان عیینہ سے جس قدر علم حاصل کیا ہے اتنا اور کسی سے نہیں کیا اور ان ہی دونوں سے حاصل کرنے کی بابت ان کی کتابیں بھی بھری ہوئی ہیں جن میں بنی ہاشم میں سے موسیٰ بن جعفر وغیرہ سے حاصل کرنے کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ علمِ رسول میں سے ان کا مطلوب اور مقصود ان لوگوں کی نسبت امام مالک ہی سے زیادہ حاصل ہوا تھا۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل حضور انور کی ذات اور آپ کی احادیث سے کمال محبت اور آپ کے اقوال اور افعال کی معرفت اور جو حضور انور کے موافق ہوا اس کا ساتھ دینے اور جو مخالف ہوا اُس سے دشمنی رکھنے اور بنی ہاشم سے محبت رکھنے میں مشہور ہیں اُن کے فضائل میں اُن کی تصنیف بھی ہے یہاں تک کہ جیسے اُنہوں نے فضائل صحابہ میں کتاب تصنیف کی ہے اسی طرح علی حسن حسین کے فضائل میں بھی کتاب تصنیف کی ہے۔ بایں ہمہ امام مالک سفیان ثوری اوزاعی لیث بن سعد، وکیع بن جراح، یحییٰ بن سعید القطان۔ ہشیم بن بشیر، عبدالرحمٰن بن مہدی جیسے لوگوں کی روایتوں سے ان کی کتابیں بھری ہوئی ہیں نہ کہ موسی بن جعفر علی بن موسی، محمد بن علی وغیرہ کی حدیثوں سے پس اگر اُن کا مطلب اُن لوگوں سے حاصل ہوتا تو وہ سب سے زیادہ اس بارے میں اُن کے طالب ہوتے۔ فقط اگر اب کوئی یہ کہے کہ اہل بیت کو ایسا مخزون علم تھا جو اُن ائمہ کو نہ تھا لیکن وہ اُسے چھپائے رہتے تھے تو اُس کا جواب یہ ہے کہ پھر اُس چھپے ہوئے علم سے لوگوں کا کونسا فائدہ ہے کیونکہ جو علم ظاہر نہ کیا جائے وہ مثل اُس خزانہ کے ہے جس میں سے خرچ نہ کیا

جائے۔لہٰذا لوگ ایسے شخص کا کیونکر اقتدا کریں گے جو اُن کے روبرو علم مکتوم ظاہر ہی نہیں کرتا جیسے کہ امام معدوم اور نہ ان دونوں سے کسی کو کوئی نفع ہوتا ہے۔نہ کوئی لطف اور مصلحت حاصل ہوتی ہے اور اگر یہ کہیں وہ اُس علم کو اپنے خاص لوگوں کے لیے رکھتے تھے نہ کہ اُن ائمہ کے لیے تو اُس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ اُن پر اتہام ہے کیونکہ جعفر بن محمد کے بعد اُن جیسا کوئی نہیں ہوا حالانکہ اُنہوں نے بھی اُن ہی ائمہ سے حاصل کیا تھا جیسے امام مالک، ابن عینی، شعبہ، سفیان ثوری، ابن جریج، یحییٰ بن سعدی وغیرہ۔اس کے علاوہ اگر کوئی ان سادات پر یہ گمان کرے کہ یہ علم کو اُن ائمہ سے چھپاتے اور خاص اُن مجہول لوگوں کو بتاتے جنکی جماعت میں کبھی کوئی سچ بولتا ہی نہیں تو یہ اُن پر بدظنی ہے کیونکہ اُن لوگوں میں تو اللہ اور اُس کے رسول کی محبت اللہ کی اطاعت اُس کے دین کی حفاظت اور تبلیغ کرنے کا شوق، موافقین کا ساتھ دینا، مخالفین سے موافقت رکھنا اور دین کی کمی زیادتی سے حفاظت کرنا اس قدر تھا کہ شیعوں کے شیوخ میں کوئی بھی اس سے لگا نہیں۔اور یہ امر ایسے شخص کو صاف معلوم ہو جاتا ہے جو دونوں سے واقف ہے۔فقط۔

کیا دل میں سب شیعہ ہیں

شیعی علماء فرماتے ہیں مصلین میں کسی پر یہ گمان نہیں کر سکتے کہ کوئی ان مذاہب سے واقف ہوا ہو اور پھر باطن میں مذہب امامیہ کے سوا کوئی اور مذہب اُس نے اختیار کیا ہو ہاں طمع دنیا کے باعث ظاہر میں کسی اور مذہب کی طرف رہا ہو کیونکہ اور مذہب والوں کیلئے مدرسے لنگر خانے اور بہت سی جائداد وقف کر دی جاتی ہے۔یہاں تک کہ بنی عباس کی ہمیشہ یہی عادت رہی اور وہ اپنی امامت قائم کرنے کے لیے عام لوگوں کے اعتقاد کو مضبوط کرتے رہے۔

جواب: ایسی لغویات کوئی بھی نہیں کہہ سکتا. ہاں وہ شخص جو اہل سنت کے احوال سے بالکل ہی ناواقف ہو اُس کا بطلان بوجوہ کثیرہ ظاہر ہے کیونکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ سنت تو اُن مدرسوں کے بنا ہونے سے پہلے بھی اقوی اور اظہر تھی کیونکہ بغداد میں ۵۰۰ھ کے وسط میں مدرسے بنائے گئے ہیں. مدرسہ نظامیہ ۴۶۰ھ کے اخیر میں بنا ہے اور وہ بھی ائمہ اربعہ میں سے فقط ایک کے مذہب پر بنایا گیا تھا۔اس سے پہلے مذاہب اربعہ مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے تھے ان میں کسی کا کوئی مدرسہ نہ تھا مالکیہ عرب میں تھے کوئی یہ بیان نہیں کرتا کہ اُن کے پاس کوئی اولاد عباس میں سے تھا علاوہ ازیں سنت

تو بنی عباس کی حکومت سے پہلے ہی اس سے زیادہ اظہر اور اقوی تھی جو اُن کے زمانہ میں ہوئی کیونکہ بنی عباس کی حکومت میں تو ہمارے شیعہ اصحاب کو بہت بڑا دخل ہو گیا تھا دوسرے یہ کہ سب اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ بنی عباس ہی کے ساتھ کچھ خلافت کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اگر علویین امویین یا قریشی خاندانوں میں سے اور کوئی بھی اُس کا والی ہو جائے تو یہ جائز ہے اس کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہے کہ علماء سنت مثلاً امام مالک امام احمد وغیرہ سلاطین سے فائدہ اُٹھانے یا اُن کے مقرب بننے سے سب سے زیادہ دُور رہنے والے ہیں۔ اہل سنت تو فقط خلفاء راشدن کی تعظیم کرتے ہیں اس کے علاوہ اس کو بھی ہر عاقل جانتا ہے کہ علماء مسلمین مشہورین میں کوئی شیعہ نہیں ہے بلکہ وہ سب کے سب اُنہیں راہ راست پر ہی نہیں سمجھتے اور اُن کی تمام کتابیں اس کی شاہد ہیں بلکہ تمام فرقوں کی بھی سب کتابیں اس کی شاہد ہیں باوجود یہ کہ کوئی ایسا نہیں ہوا۔ جس نے شیعوں کی جہالت اور گمراہی بیان کرانے پر اُنہیں مجبور کیا ہو تو بھی وہ ہمیشہ اُن کی جہالت اور ضلالت کو ذکر کرتے ہیں جس سے بلا سوچے سمجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ شیعہ کس قماش کے لوگ ہیں۔ علی ہذا القیاس۔ ہدایت میں یہ تمام فرقوں سے زیادہ دُور پڑھے ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے بڑی بڑی خلاف شرع بدعتوں کو جمع کر رکھا ہو کیونکہ یہی جہمیہ قدریہ ہیں اور ان قسموں میں سے ہر قسم کی برائی میں سلف اور علماء کا اس قدر بیان ہے کہ جسے اللہ کے سوا اور کوئی حصر میں نہیں لا سکتا تمام کتابیں اس سے بھری ہوئی ہیں جیسا کہ حدیث، آثار، فقہ، تفسیر، اصول، فروع، وغیرہ کی کتابیں یہی تینوں فرقے اہل بدعت، مرجیہ، حیروریہ۔ غرض کل فرقوں سے بدتر ہیں اللہ اس بات کو جانتا ہے کہ باوجود اس گہری تحقیقات کے ساری امت میں آج تک مجھے کوئی آدمی ایسا معلوم نہ ہوا کہ جو صادق اللسان ہو کر مذہب امامیہ کے ساتھ متہم بھی ہوا ہو۔ چہ جائے کہ کوئی یہ کہے کہ وہ باطن میں اس مذہب کا اعتقاد رکھتا تھا۔ حسن بن صالح بن حی پر مذہب زیدیہ کی تہمت لگائی گئی ہے۔ حالانکہ وہ فقیہ اور زاہد آدمی تھا۔ بعض کا قول یہ بھی ہے کہ یہ اُس پر محض اتہام ہی اتہام ہے لیکن تو بھی کوئی یہ نہیں کہتا کہ اُس نے ابوبکر و عمر کی شان میں کبھی طعنہ زنی کی ہو چہ جائے کہ وہ ان دونوں کی امامت میں شک کرتا زیدیہ اُن شیعہ علویہ کا ایک فرقہ ہے۔ جو عثمان کو علی پر فضیلت دیتے ہیں کوئی ان شیعہ میں سے کبھی متہم نہیں ہوا جو علی سے محبت رکھتے ہیں اور ابوبکر و عمر کو اُن پر فضیلت بھی

دیتے ہیں۔ یہ سب اس لڑائی میں تھے۔ وہیں اُن کی دو جماعتیں ہوگئیں ایک شیعہ عثمانیہ دوسری شیعہ علویہ۔ جن لوگوں نے علی کے ساتھ جنگ کی ہے وہ سب عثمان پر اُنہیں فضیلت نہیں دیتے تھے بلکہ ان میں اکثر ایسے تھے جو عثمان ہی کو اُن پر فضیلت دیتے تھے چنانچہ یہی قول تمام اہل سنت کا ہے۔

ظاہر میں سنی باطن میں شیعہ: شیعی علماء فرماتے ہیں ایسے آدمی بہت سے دیکھے گئے ہیں جو باطن میں مذہب امامیہ رکھتے ہیں مگر جب دنیا اور طمع ریاست کی وجہ سے اُسے ظاہر نہیں کر سکتے ائمہ حنابلہ میں سے ایک شخص دیکھا گیا وہ کہتا تھا کہ میں امامیہ مذہب میں ہوں اُس سے کہا گیا تو پھر تم مذہب حنابلہ کی کتابیں کیوں پڑھاتے ہو تو کہا تمہارے مذہب میں مختانے اور مہینے نہیں ملتے اس لئے ہم ظاہر میں اِس مذہب پر ہیں شیخ علی صاحب شیعوں کے مجتہد اعظم فرماتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ایک صدر مدرس شافعی تھا اُس نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میری تجہیز وتکفین کا کام کوئی امامیہ فرقہ کا آدمی کرے اور مجھے دفن مولانا کاظم کے گورستان میں کیا جائے اور میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ وہ بے شک مذہب امامیہ پر تھا۔

جواب: شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ہم نے بہت سی مرتبہ دیکھا ہے یہ جھوٹ بلکہ کبھی ائمہ اربعہ کے مذہب میں کہلانے والوں میں کوئی ایسا نکل آیا ہے جو در پردہ شیعہ تھا جیسا کہ کبھی اسلام ظاہر کرنے والوں میں کوئی ایسا نکل آتا ہے جو در پردہ منافق ہوتا ہے ہم تو ایسے شخص اور اُس کے مذہب کو کفر سے بھی بدتر جانتے ہیں کہ جو کسی لالچ سے اپنے دلی عقیدہ کے خلاف اظہار کرے خواہ وہ شیعہ ہو یا سنی تعجب ہے ہمارے شیعی علماء ان منافقین پر فخر کرتے ہیں اور اتراتے ہیں ایسی مثالیں تو بہت سی ملیں گی کہ بعض لوگ عرصہ تک مسلمان بنے رہے مگر مرتے وقت نصرانی ثابت ہوئے۔ چنانچہ ہماری آنکھوں کے سامنے مسجد فتح پوری میں کئی سال تک ایک شامی نماز پڑھاتا ہے اور پڑھتا رہا۔ مگر مرتے وقت اُس نے کہا میں نصرانی مذہب رکھتا تھا لہٰذا میری تجہیز وتکفین پادری کے ہاتھ سے ہو کیا اس سے یہ استدلال ہوسکتا ہے کہ کل شامی باطن میں نصرانی مذہب رکھتے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یادرکھئے جس شخص نے اسلام کی اصلی حالت کو جان لیا وہ ظاہر اور باطن ہر حالت میں اس کا مقر ہے کہ محمد بے شک اللہ کے رسول ہیں ایسے شخص سے یہ ہرگز نہیں ہوسکتا علانیہ وہ منافق بن جائے استغفراللہ۔ یہ تو زندیقیوں

کا شعار ہے اب رہی وہ حکایت جو شیعی علماء نے بعض ائمہ مدرسین سے نقل کی ہے. ممکن ہے کہ یہ صحیح ہوا
اگر چہ اس کی صداقت کی کوئی شہادت پیش نہیں کی گئی یہ تو یہ ائمہ اربعہ کی طرف کہلانے والے لوگوں
میں رافضی ہونے سے بڑھ کر بعض زندیق اور ملحد بھی موجود ہیں. ہاں جو شخص بعض کے در پردہ زندیق
ہونے سے علماء مسلمین پر یہ استدلال قائم کرے کہ یہ سب کے سب زندیق ہیں تو یہ مستدل سب سے
زیادہ لغو گو اور متعصب ہے شیعی علماء ان دونوں مدرسوں کا نام لکھ دیتے ہیں تو ہم اُس کا عقدہ کھول
دیتے کہ اُن پر محض اتہام اُٹھایا گیا ہے یا یہ واقعہ صحیح ہے اور پھر اس سے حقیقت حال کا انکشاف ہو جاتا
اس کے علاوہ بھلا محض عہدہ مدرسی پر کسی کا ہو جانا اور وہ بھی ہولا کیوں کی حکومت میں یا اسلام کے
شروع زمانہ میں اس مدرس کی فضیلت اور دیانت داری پر اس قدر دلالت کر سکتا ہے کہ اُس کا قول اہل
علم کے قول کے ہم وزن سمجھا جائے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جہاں ظالموں کی حکومت میں
مدرس ہو گئے ہیں۔ حالانکہ وہ سب سے اجہل اور انتہا درجہ کے ظالم تھے۔ لیکن وہ شے جو علماء کی فضیلت
پر دلالت کرے یہ ہے کہ اُن کے علم کی لوگوں میں شہرت ہو اُنکے کلام اور کتابوں کے آثار کا کچھ ظہور ہو
اور ایک عالم اُن سے مستفیض ہو رہا ہو اور اُنہوں نے شریعت عزا کی پوری خدمت انجام دی ہو۔ بھلا کوئی
یہ کہہ سکتا ہے کہ فضلاء اصحاب شافعی احمد اور مالک میں کوئی بھی رافضی تھا یا برخلاف اس کے ان میں سے
ہر فاضل سب سے زیادہ رافضیوں کا دشمن تھا ہاں اتباع ائمہ میں سے ایک گروہ پر یہ اتہام لگایا گیا ہے کہ
اُن کا قدرے قلیل میلان اعتزال کی طرف تھا لیکن یہ کوئی نہیں جانتا کہ ان میں سے کوئی رفض کے
ساتھ متہم ہوا ہو کیونکہ اہل علم کے طریقہ سے رافضی ہونا بہت ہی بعید ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر چہ
معتزلہ کے اقوال بھی خلاف شریعت اور بدعت ہوئے ہیں تو بھی ان میں علم دین ادلہ شرعیہ اور عقلیہ
سے استدلال کرنے والے موجود ہیں. اہل ملل اور ملاحدہ کے رد جس عمدگی سے اُنہوں نے کئے ہیں وہ
اُن کی قابلیت علمی کے شاہد ہیں۔ بعض اوقات اُنہوں نے شیعوں کی بھی ایسی خبر لی ہے کہ اب تک
ہمارے احباب چاہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ہمارے دوست شیعہ بس نور علیٰ نور ہیں۔

مذہب امامیہ کا اتباع واجب ہونے کی پانچویں وجہ

شیعی علماء فرماتے ہیں مذہب امامیہ کا اتباع واجب ہونے کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ اس

فرقہ کے لوگ غیر حق میں تعصب کی طرف بھی نہیں جاتے بخلاف اور مذہب والوں کے چنانچہ غزالی اور ماوردی یہ دونوں شافعیہ مذہب کے امام ہیں انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ قبروں کو مسطح کر دینا ہی مشروع ہے لیکن چونکہ یہ طریقہ رافضیوں نے اپنا کر لیا ہے۔ لہٰذا اسے ہم چھوڑتے ہیں اور قبروں کو اونٹوں کے کوہان کی شکل بنانے کو حکم شریعت کہتے ہیں۔ پھر زمخشری نے جو ائمہ حنفیہ میں سے تھا اس آیت کی تفسیر میں۔ هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ. یہ ذکر کیا ہے کہ اگر چہ بمصداق اس آیت کے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں ہر ہر فرد پر درود بھیجنی جائز ہے۔ لیکن چونکہ رافضی اس سے اپنے ائمہ پر درود بھیجنی نکالتے ہیں لہٰذا ہم اس سے منع کرتے ہیں۔ علی ہذا القیاس۔ ہدایہ کے مصنف نے کہا ہے جو حنفیہ میں سے تھا کہ انگوٹھی داہنے ہی ہاتھ میں پہننی مشروع ہے۔ لیکن چونکہ یہ طریقہ رافضیوں نے لے لیا ہے۔ لہٰذا اب ہم بائیں ہاتھ میں پہننا جائز کہتے ہیں۔ پس تم ان لوگوں پر غور کرو جو شریعت کو پھیرتے ہیں اور اُن احکام کو بدلتے ہیں جو نبی ﷺ سے مروی ہیں اور محض ایک قوم معین سے عناد رکھنے کے باعث خلاف صواب کو اختیار کرتے ہیں بھلا پھر ایسے لوگوں کا اتباع کرنا اور اُن کے اقوال کو تسلیم کرنا جائز ہو سکتا ہے نہیں ہر گز نہیں۔

جواب: اس کا جواب دو طریق پر ہو سکتا ہے اول تو یہ کہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ سب شیعوں ہی سے زیادہ تعلق رکھتا ہے دوسرے یہ کہ ائمہ اہل سنت سب اس سے بری ہیں پہلے طریق کی تفصیل تو یہ ہے کہ غلط اُمور میں ہمارے احباب سے زیادہ تعصب رکھنے والا ہمیں اور کوئی فرقہ معلوم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ سب فرقوں کے علاوہ یہ بات ان ہی میں معروف ہے کہ اپنے مخالف کے مقابلہ میں اپنے موافق کی جھوٹی گواہی دینی مشروع کہتے ہیں۔ حالانکہ جھوٹ سے زیادہ تعصب میں اور کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں تک کہ تعصب ہی کی وجہ سے تمام میراث بیٹی کے لیے ٹھہراتے ہیں تاکہ اُن کا یہ قول درست ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی وارث حضرت فاطمہ ہی تھیں۔ آپ کے چچا عباس وارث نہ تھے۔ آپ ان حضرات کا تعصب خیال تو فرمایئے کہ ان میں بعض لوگ اُونٹ کے گوشت کو محض اس وجہ سے حرام کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے اُونٹ پر سوار ہو کر علی سے جنگ کی تھی غرض کہ یہ لوگ محض ایک نامناسب امر کی وجہ سے اللہ کی کتاب اور حضور انور کی سنت اور تمام صحابہ اور قرابت کے اجماع کا

خلاف کرتے ہیں کیونکہ وہ اونٹ جس پر عائشہ سوار ہوئی تھیں مر چکا ہے اگر اُس کا زندہ ہونا بھی مان لیا جائے تو کفار کا اونٹوں پر سوار ہونا اُن کے حرام ہونے کو واجب نہیں کر سکتا۔ حالانکہ کفار تو ہمیشہ اونٹوں پر سوار ہوتے ہی رہتے ہیں اور مسلمان اُن سے لوٹتے ہیں حالانکہ ان کا گوشت مسلمانوں کے لیے حلال ہے لہٰذا حضرت عائشہ کے اونٹ پر سوار ہونے میں ایسی کونسی وجہ ہے جو اُس کے گوشت کے حرام ہونے کو ثابت کرتی ہے غایت درجہ یہ فرض کریں گے کہ جن لوگوں کو یہ کافر ٹھہراتے ہیں وہ بھی اُس پر سوار ہوتے تھے حالانکہ یہ ان کا محض جھوٹ اور افترا ہے جس کا ام المومنین کے ذمہ الزام رکھتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی اِن لوگوں کے تعصب ہی کی ہے کہ عشرہ (دس) کے لفظ کو زبان پر نہیں لاتے بلکہ تسعہ و واحد (یعنی نو ایک) کہتے ہیں اور جب کہیں یہ ستون وغیرہ بناتے ہیں۔ تو اُن کو دس نہیں کرتے۔ غرضیکہ اس سے یہاں اکثر امور میں بچتے ہیں۔ باوجودیکہ عشرہ کا لفظ قرآن مجید میں بہت سی جگہ آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے۔ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ. اور فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا. اور فرمایا وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ. اور فرمایا۔ وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ. پس اللہ تعالیٰ نے عشرہ کے لفظ کو بہت سے محمود موقعوں پر ذکر کیا ہے اور تسعہ کے لفظ کو مذموم (یعنی بُرے) موقعہ پر فرمایا چنانچہ فرمایا۔ وَكَانَ فِی الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ. پھر حضور انور نے فرمایا۔ تحرو الیلۃ القدر فی العشر الاواخر من رمضان. آپ وقت وصال تک اعتکاف بھی آخری عشرہ میں کرتے رہے اور خود ہی یہ فرمایا۔ مامن ایام العمل الصالح فیھا احب الی اللہ من ھذہ الایام العشرۃ پس جب اللہ اور اُسکا رسول دونوں عشرہ کے لفظ کو بولتے ہیں اور اس عدد کے ساتھ احکام شرعیہ محمود کو متعلق کرتے ہیں تو پھر ان کا اس کے زبان سے نکالنے میں نفرت کرنا محض اس خیال سے کہ عشرہ اُن لوگوں کو کہتے تھے جو اُن سے بغض وعداوت رکھتے تھے اُن کا انتہاء درجہ کا تعصب نہیں تو اور کیا ہے اس کے علاوہ ان کے تسعہ و واحد کے معنی بھی عشرہ ہی کے ہیں۔ مگر اس بدمزہ طول عبارت کو قبول کریں گے اور عشرہ کا ایک لفظ نہیں بولنے کے اور اگر عشرہ یا تسعہ یا سبعہ کا لفظ ہر اُس معدود پر بولا جائے جو عدد کے

مطابق ہو خواہ آدمی ہوں جانور کیڑے ہوں یا در ہم حالانکہ بعض معدود محمود ہوتے ہیں اور بعض مبغوض اس پر بھی ان خوش فہموں کا ان اعداد سے نفرت کرنا ان کی انتہاء درجہ کی شانِ انسانیت ہے ان کی یہ نفرت ایسی ہی ہے جیسا کہ یہ اُن لوگوں کے ناموں سے نفرت کرتے ہیں۔ جن سے انہیں عداوت ہے۔ چنانچہ یہ اُس شخص سے بھی نفرت کرتے ہیں۔ جس کا نام ابوبکر، عمر اور عثمان ہو کیونکہ جن کے یہ نام تھے۔ اُن سے انہیں عداوت ہے حالانکہ صحابہ میں وہ لوگ بھی تھے جن کے نام بعض کفار کے نام پر تھے جیسا کہ ولید بن ولید صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضور انور دعا قنوت میں یہ دعا کیا کرتے تھے۔

اللھم انج الولید بن الولید وسلمة بن هشام و عیاش بن ابی ربیعة والمستضعفین من المومنین۔ یہ ولید مومن متقی تھے اور اُن کا باپ کافر تھا اسی طرح عقبہ بن ابی معیط بھی کفار قریش میں تھا حضور انور نے یہ فرمایا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں عقبہ بن رافع کے مکان میں ہوں اور ہمیں مدینہ منورہ کی عمدہ کھجوریں ملی ہیں۔ میں نے اس کی تعبیر یہ لی کہ دنیا میں بھی ہمیں ترقی ہوگی۔ اور آخرت میں انجام بھی اچھا ہوگا اور ہمارا دین اچھا رہے گا اس کے علاوہ خود علی کے نام کا ایک شخص علی بن امیہ بن خلف تھا وہ اور اُس کا باپ جنگ بدر میں دونوں کفر ہی کی حالت میں قتل ہو گئے تھے اور صحابہ میں کعب بن مالک شاعر تھے جو حضور انور کی نعت میں اشعار کہتے تھے اور کعب الاشرف تھا جس نے حضور انور ﷺ کو اس قدر تکلیف دی کہ خود حضور انور نے محمد بن مسلمہ کے ساتھ چند صحابہ کو بھیج کر اُسے قتل کرا دیا اور صحابہ ہی میں ایک کعب وہ بھی تھے جن سے خود حضور انور نے فرمایا تھا کہ مجھے اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں کچھ پڑھ کر تمہیں سناؤں پھر مشرکین میں ایک ابی بن خلف تھا جسے جنگ احد میں حضور انور نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا۔ حالانکہ اس کے سوا آپ نے اپنے ہاتھ سے اور کسی کو نہیں مارا آپ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن زیادہ تر عذاب اُسی کو ہوگا جس نے کسی نبی کو مارا ہو یا نبی نے اُسے مارا ہو حضور انور ﷺ نے اپنے صاحبزادے کا نام ابراہیم رکھا تھا اور علی نے اپنے دونوں بچوں کا نام ابوبکر و عمر رکھا تھا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسماء اعلام مسلمان اور کافر سب میں مشترک ہوتے ہیں چنانچہ یہود اور نصاری بھی ابراہیم، موسیٰ، اسحٰق، یعقوب نام رکھتے ہیں اور یہی نام مسلمان بھی رکھتے ہیں۔ لہذا کافر کے کسی نام رکھ دینے میں کوئی ایسی وجہ نہیں ہے جو اس نام کے چھوڑ دینے کو واجب کرتی

ہو اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ یہ لوگ نعوذ باللہ کافر تھے جیسا کہ مفتری کہتے ہیں تو بھی اس میں کوئی وجہ ایسی نہیں ہے جو ان اسماء کے چھوڑنے پر دلالت کرتی ہو بلکہ یہ جہالت اور تعصب کی زیادتی کا سبب ہے اگر اب کوئی یہ کہے کہ یہ لوگ اس نام کو اسلئے بُرا سمجھتے ہیں کہ اس نام کا آدمی سنی ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ کسی کا مذہب جاننے کے بعد بھی کہ یہ سنی نہیں ہے اُسے اس نام سے نہیں پکارتے بلکہ اس نام سے بچنے کے لیے اُسے اور کسی نام سے پکارتے ہیں اور یہ بھی ان کے تعصب ہی کی وجہ ہے کہ جب یہ کسی کو علی یا جعفر یا حسن یا حسین کے نام پر پاتے ہیں تو اُس کا بہت جلدی سے اعزاز کرتے ہیں۔ باوجود یہ کہ کبھی اس نام کا آدمی فاسق ہوتا ہے اور کبھی سنی غرض کہ یہ سب تعصب اور جہالت ہی ہے اور یہ بھی ان کا تعصب اور جہالت ہی ہے کہ تمام بنی امیہ سے یہ عداوت اور بغض رکھتے ہیں محض اس وجہ سے کہ ان میں بعض آدمی علی سے بغض رکھتے تھے حالانکہ بنی امیہ میں بہت سے نیک آدمی تھے جو فتنہ ہونے سے پہلے ہی مر چکے تھے بنی امیہ کے اکثر خاندان حضور انور کے عامل تھے چنانچہ آپ نے مکہ فتح کر کے عتاب بن اسید بن ابی العاص بن امیہ کو وہاں کا عامل کیا تھا علی ہذا القیاس۔ خالد بن سعید بن ابی العاص بن امیہ کو اور ان کے دونوں بھائی ابان اور سعدی بن سعید کو دوسرے عالموں پر افسر کیا تھا۔ اسی طرح ابوسفیان بن حرب بن امیہ کو یا اُن کے بیٹے یزید کو نجران کا عامل کیا تھا اور اس عہدہ پر ہی اُن کا انتقال ہوا ہے۔ اس کے علاوہ حضور انور نے اپنی تینوں صاحبزادیوں کی شادی بنی اُمیہ ہی میں کی تھی سب سے بڑی صاحبزادی زینب کی شادی ابی العاص بن ربیع بن امیہ بن عبد شمس سے کی تھی اور جس وقت علی نے ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنی چاہی تو آپ نے اپنے پہلے داماد کی بہت تعریف کی یعنی اول آپ نے بنی امیہ بن عبد شمس سے اپنے سمدھیانے کا ذکر کیا پھر آپ نے اپنے داماد کی بہت تعریف کی اور یہ فرمایا کہ اُس نے جو کچھ مجھ سے کہا وہ سچ کر دکھایا اور جو مجھ سے وعدہ کیا وہ پورا دکھایا۔ اس کے علاوہ حضور انور نے اپنی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے عثمان بن عفان سے بیاہی تھیں اور پھر بھی یہ فرمایا تھا کہ اگر ہمارے ہاں تیسری لڑکی ہوتی تو ہم اُس کو بھی عثمان ہی سے بیاہتے۔ اسی طرح ہمارے احباب کا تعصب یہ بھی ہے کہ یہ اہل شام کی طرف سے کینہ رکھتے ہیں محض اس وجہ سے کہ پہلے ان میں کچھ لوگ علی سے کینہ رکھتے تھے یہ سب جانتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں

بھی کفار اور مسلمان تھے اور مدینہ میں بھی اور ان دونوں شام میں کوئی ایسا نہیں تھا جو علی سے عداوت ظاہر کرتا ہو لہٰذا اب وہاں کے باشندوں سے عداوت رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے لیکن یہ لوگ اپنے بے انتہاء تعصب کی وجہ سے سب سے عداوت رکھتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ان کا تعصب ہے کہ یہ اُس آدمی کو بُرا جانتے ہیں جو بنی امیہ کے متروکہ میں سے کسی شے سے فائدہ اٹھائے۔ جیسا کہ نہر یزید سے پانی پینا حالانکہ یزید نے اسے نہیں بنوایا تھا بلکہ اس نے اُسے وسیع ضرور کرا دیا تھا اسی طرح اُس جامع مسجد میں نماز پڑھنا بُرا سمجھتے ہیں جو بنی امیہ نے بنائی ہے۔ حالانکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ حضور انور ﷺ اُس کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے جو مشرکین نے بنایا تھا اور آپ اُن مکانات میں رہتے تھے جو مشرکین ہی نے بنائے تھے اور آپ اُن کنوؤں کا پانی پیتے تھے جو مشرکین ہی نے کھدوائے اور بنوائے تھے اور وہی کپڑے پہنتے تھے جو مشرکین بنتے تھے اور اُن درہموں کو برتتے تھے جن پر مشرکین سکہ لگاتے تھے پس جب حضور انور ﷺ ان کے مکانات اُن کے کپڑوں اور اُن کے کنوؤں وغیرہ سے فائدہ اُٹھاتے تھے تو اب اہل قبیلہ یعنی مسلمانوں کی چیزوں میں کیا جھگڑا ہے۔ پھر اگر فرض کر لیا جائے کہ یزید کافر تھا اور اسی نے نہر کو کھدوایا تھا پھر بھی با جماع جمیع مسلمانانِ عالم اِس کے پانی پینے میں کوئی کراہیت نہیں ہے لیکن یہ لوگ اپنے بے انتہاء تعصب کی وجہ سے اُن چیزوں سے کراہیت کرتے ہیں جنھیں اِن لوگوں کی طرف منسوب کرتے ہیں جن سے اُنھیں عداوت ہے ابن تیمیہ لکھتے ہیں مجھ سے ایک معتبر آدمی نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک شیعہ کے پاس ایک کتا تھا ایک دن اُس کا ایک شیعہ دوست آ کر بکیر بکیر کہہ کر اس کتے کو بلانے لگا اُس کتے والے نے کہا کیا دوزخیوں کے ناموں میں سے تو میرے کتے کا نام رکھتا ہے اِس پر دونوں میں اس قدر لڑائی ہوئی کہ خون ہونے کی نوبت آ گئی۔ بھلا اس تعصب کی بھی کوئی انتہاء ہے حالانکہ حضور انور اپنے صحابہ کے ایسے نام بھی رکھ دیتے تھے جو اُن دوزخیوں کے ہیں۔ جن کا ذکر اللہ پاک نے قرآن مجید میں کیا ہے جیسا کہ وحید جس کو قرآن شریف میں اللہ نے اپنے اس ارشاد میں ذکر کیا ہے۔ ذَرْنِىْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا اس کا اصل نام ہے ولید بن مغیرہ تھا۔ حضور انور اُس کے بیٹے کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔ اور اُس کا نام بھی ولید ہی تھا اور بیٹے اور باپ دونوں کا نام حضور نماز میں لیا کرتے تھے اور کہتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اَنجِ الوليد بن الوليد جیسا

کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ ہمارے احباب کے بے مثال تعصب کی ایک اور شہادت یہ ہے کہ یہ اُس دن روزہ نہیں رکھتے جس دن خود رسول اکرم روزہ رکھنے کا حکم کرتے ہیں۔ جیسا کہ عاشورہ کا روزہ ہے حالانکہ صحیح حدیث میں ابی موسیٰ سے مروی ہے کہ جس وقت حضور انور مدینہ منورہ میں داخل ہوئے ہیں تو آپ نے یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشورہ کی تعظیم کرتے ہیں اور اُس روز، روزہ رکھتے ہیں اس پر حضور نے فرمایا کہ ہم اس دن کا روزہ رکھنے کے زیادہ حقدار ہیں اور اُسی وقت آپ نے اُس روز کے روزہ رکھنے کا حکم دے دیا یہ روایت بخاری نے نقل کی ہے۔ فقط۔

جواب کا دوسرا طریق: ہم کہتے ہیں کہ تمام ائمہ اسلام اس پر متفق ہیں کہ جو امر مشروع ہو وہ کسی بدعتی یا شیعہ وغیرہ کے کر لینے سے ہرگز نہیں چھوڑا جا سکتا ہے۔ تمام ائمہ کے اصول اُس کے موافق ہیں اُن ہی میں سے ایک مسئلہ تسطیح یعنی قبر کو مسطح کر دینے کا ہے جو شیعی علماء نے ذکر کیا ہے پس امام ابو حنیفہ اور امام احمد کا مذہب تو اس میں یہ ہے کہ تسنیم قبور یعنی قبروں کو اونٹوں کے کوہان کی شکل پر بنا دینا ہی افضل ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضور انور ﷺ کی قبر مسنم ہے دوسری وجہ اُس کے افضل ہونے کی یہ ہے کہ دنیا کی عمارتوں سے ایک تو یہ مشابہت نہیں کھاتی دوسرے بنی اس وضع پر ہے کہ اُس پر انسان بیٹھ نہیں سکتا مگر امام شافعی تسطیح کو مستحب فرماتے ہیں محض اس روایت کی وجہ سے جس میں قبروں کے زمین کے ہموار کر دینے کا حکم ہے اور وہ زمین کے ہموار کر دینے ہی کو تسطیح سمجھتے ہیں۔ پھر اُن کے بعض شاگردوں کا یہ قول ہے کہ اب چونکہ یہ طریقہ شیعوں نے لے لیا ہے لہٰذا یہ مکروہ ہے یہ لوگ اُن کے اور تمام شاگردوں کے مخالف ہیں اور یہی کہتے ہیں کہ یہی افضل اور مستحب ہے اگرچہ اُسے شیعہ کیوں نہ کرنے لگیں اسی طرح بسم اللہ کو آواز سے پڑھنا بھی شیعوں کا مذہب ہے شافعیوں میں بعض نے اُس کے اور قنوت کے سبب میں گفتگو کی ہے اور اُسے شیعوں اور قدریہ کے قول کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ عراق میں مشہور یہی تھا کہ بسم اللہ آواز سے پڑھنا شیعوں کا طریقہ ہے۔ اور قنوت فجر کی نماز میں پڑھنا قدریہ کا مذہب ہے یہاں تک کہ ائمہ میں سے سفیان ثوری وغیرہ نے اپنے عقائد میں بسم اللہ کو آواز سے نہ پڑھنا ہی بہتر سمجھا ہے کیونکہ اُن کے نزدیک یہ شاعر شیعوں کا ہے جیسا کہ مسح علی الخفین وہ ذکر کرتے ہیں کیونکہ اُس کو چھوڑنا بھی اُن کے نزدیک شیعوں ہی کا شعار ہے باوجود اس

کے جب امام شافعی نے یہ دیکھا کہ سنت طریقہ یہی ہے تو اپنا یہی مذہب ٹھہرالیا اگر چہ شیعوں کے قول کے موافق ہی کیوں نہ ہو اسی طرح اُن کے نزدیک اہل عراق کو عقیق سے احرام باندھنا مستحب ہے اگر چہ یہ بھی شیعوں کا مذہب ہے غرض اس قسم کی نظیریں بہت سی ہیں اسی طرح امام مالک خفین پر مسح کرنے کے امر کو ضعیف کہتے ہیں یہاں تک کہ اُن کا مشہور قول یہی ہے کہ حضر میں مسح نہ کرنا چاہیے اگر چہ یہ بھی شیعوں کے قول کے موافق ہے اسی طرح امام مالک اور امام احمد کا یہ بھی مذہب ہے کہ محرم کجاوہ کے سایہ میں نہ آئے۔ حالانکہ یہ بھی شیعوں کے قول کے موافق ہے اسی طرح امام مالک فرماتے ہیں کہ زمین کی جنس کے سوا اور کسی شے پر سجدہ کرنا مکروہ ہے اسی طرح شیعہ بھی زمین کے سوا اور سب چیزوں پر سجدہ کرنے سے منع کرتے ہیں پھر امام احمد بن حنبل حج کے متعہ کی طرح متعہ کو مستحب کہتے ہیں اور اُس کا امر کرتے ہیں اور امام احمد اور اُن کے سوا اور ائمہ محدثین ایسے شخص کے لیے جس نے فقط حج یا قرآن کا احرام باندھا ہوا اُس کو مستحب کہتے ہیں کہ وہ اس احرام کو توڑ کر عمرہ کا احرام باندھ لے اور متمتع ہو جائے۔ کیونکہ بہت صحیح حدیثیں اس بارے میں آئی ہیں یہاں تک کہ سلمہ نے امام احمد سے کہا تھا کہ اے ابو عبداللہ تم نے اہلِ خراسان کو متعہ کا فتوے دیکر شیعوں کے دلوں کو پکا کر دیا آپ نے فرمایا کہ اے سلمہ میں تمہاری نسبت یہ سنتا تھا کہ تم احمق ہو لیکن میں تمہاری طرف سے ایسا کہنے والوں کو جواب دے دیتا تھا اور اب مجھے یقین ہو گیا کہ تم واقعی احمق ہو میرے پاس گیارہ حدیثیں صحیح ہیں جو حضور انور ﷺ سے مروی ہیں کیا میں تمہارے کہنے پر ان سب کو چھوڑ دوں اور ایسا ہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ سوائے حضور انور کے اوروں پر بھی جیسے ابو بکر، عمر، عثمان، علی درود بھیجنا جائز ہے ایک روایت میں امام احمد کے بھی بہت سے شاگردوں سے یہی منصوص ہے اور اُس روایت سے استدلال لاتے ہیں جو علی سے اُنہوں نے نقل کی ہے کہ آپ نے عمر سے کہا تھا صلی اللہ علیک اسی کو اُن کے اکثر اصحاب نے اختیار کیا ہے جیسے قاضی ابی یعلی، ابن عقیل، ابو محمد عبد القادر جیلی وغیرہ۔ لیکن امام شافعی اور امام احمد سے اس کا منع ہونا منقول ہے اور یہی امام احمد کے بعض شاگردوں نے اختیار کیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ابن عباس سے مروی ہے کہ سوائے نبی ﷺ کے اور کسی پر درود بھیجنا درست نہیں ہے ممکن ہے کہ ابن عباس نے یہ اُس وقت کہا ہو کہ جب اُنہیں یہ بات معلوم ہوئی ہو کہ شیعوں نے

درود کو علی ہی کے لیے خاص کرلیا ہے اور دوسرے صحابہ پر نہیں بھیجتے حالانکہ یہ با تفاق خطا اور غلطی ہے۔
کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے اور حضور انور نے اُس کی تفسیر اپنے اور اپنی آل اطہار پر درود بھیجنے کے ساتھ کی ہے۔ لہٰذا آپ کے طفیل میں آپ کی تمام اہل بیت پر درود بھیجنا چاہیے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک حضرت کی آل کے وہ لوگ ہیں جنہیں صدقہ لینا حرام ہے اور امام احمد وغیرہ کے شاگردوں میں سے ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ ساری امت آل ہے صوفیہ کے ایک گروہ کا قول یہ ہے کہ حضور انور کی امت میں سے فقط اولیاء اللہ ہیں اور مومن متقی لوگ ہیں انہوں نے اس بارے میں ایک ضعیف حدیث نقل کی ہے جس کا ثبوت کچھ نہیں ہے حنفیوں کا یہ قول ہے واجب التسلیم ہے کہ جب کوئی شخص ایسے گروہ میں چلا جائے جو سوائے علی کے اور کسی صحابی پر درود نہیں بھیجتے تو اُسے ہرگز ایسا نہ کرنا چاہیے۔ اس لیے وہ لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ شخص بھی ہم ہی میں سے ہے اسی لئے اسکا صرف علی ہی پر درود بھیجنا مکروہ ہے۔ یہی قول تمام ائمہ کا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ جب کسی مستحب فعل میں کوئی بڑی بُرائی اور خرابی ہوتی ہے تو وہ فعل مستحب نہیں رہتا۔ اسی لیے بعض فقہا بعض اُن مستحبات کے چھوڑنے کی طرف گئے ہیں۔ جو شیعوں کا شعار ہو گئے ہیں تو یہ چھوڑنا اگرچہ اس وجہ سے واجب نہیں ہوتا لیکن اُس کے ظاہر کرنے میں اُن کی مشابہت ہے۔ اس لیے سُنی اور شیعہ میں تمیز نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ اُن سے علیحدہ رہنے اور مخالفت کرنے کیلئے ان سے الگ رہنے کی مصلحت اس مستحب فعل کی مصلحت سے بڑھی ہوئی ہے اور اس کی ان موقعوں میں ضرورت ہوتی ہے کہ جہاں اُس مستحب فعل کے کرنے کی مصلحت سے اختلاط اور اشتباہ ہونے میں اس سے زیادہ خرابی ہو لیکن یہ امر عارضی ہے اس سے یہ نہیں ہوسکتا کہ امر مشروع کو ہمیشہ غیر مشروع کردیا جائے گا بلکہ یہ مثل اُس لباس کے ہے جو کفار کا شعار اور طریقہ ہو اگرچہ وہ اُس وقت مباح ہوتا ہے کہ جب اُن کا شعار نہ ہو جیسا کہ زرد عمامہ باندھنا اُس وقت جائز ہے کہ جب یہود کا طرز نہ ہو اور جس وقت اُن کا طرز ہوگا تو اس سے منع کردیا جائے گا۔

سنیوں کی بدعتیں: شیعی علماء فرماتے ہیں باوجود یہ کہ سنیوں نے بہت سی بدعتیں گھڑلی ہیں اور اُن کے بدعت ہونے کے خود بھی مقر ہیں لیکن پھر اُنہیں کرتے ہیں حالانکہ نبی ﷺ نے یہ فرمایا ہے **کل بدعة ضلالة ولکل ضلالة فان مصیر ھا الی النار** یعنی ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی کا

انجام کار دوزخ ہے اور فرمایا۔ من ادخل فی دیننا فی دیننا مالیس منہ فھورد. یعنی جو شخص ہمارے دین میں وہ امور داخل کرے جو دین میں نہیں ہیں تو وہ مردود ہے حالانکہ اب اگر کوئی ان اُمور کو رد کرے تو اُنہیں بُرا لگتا ہے اور اُن کے دل اُس آدمی سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ خطبوں میں خلفاء کا ذکر کرنا حالانکہ نہ یہ نبی ﷺ کے زمانہ میں ہوا، اور نہ کسی صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں ہوا نہ بنی امیہ کے زمانہ میں ہوا نہ عباسین کی شروع خلافت میں ہوا بلکہ اُس کو منصور نے اُس وقت ایجاد کیا ہے کہ جب اُس میں اور علویہ میں خلاف رگڑوں گا اور بنی تیم اور عدی کو اُن پر فوقیت دونگا اُس نے اپنے خطبہ میں صحابہ کا ذکر شروع کیا اور یہ بدعت جب سے لیکر اس زمانہ تک برابر چلی آتی ہے۔ فقط شیعی علماء کا یہ قول ختم ہو گیا۔

جواب: اول تو یہ کہ خلفاء راشدین کا منبر پر ذکر ہونا عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں تھا بلکہ یہ روایت بھی ہے کہ فاروق اعظم کے زمانہ میں بھی تھا۔ اس بارے میں ضبہ بن محصن کی حدیث سب حدیثوں سے زیادہ مشہور ہے۔ چنانچہ طلمنکی نے میمون بن مہران کی سند سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابوموسی اشعری عامل بصرہ جمعہ کے روز جب خطبہ پڑھتے تھے تو اول حضور انور ﷺ پر درود پڑھتے اُس کے بعد فاروق اعظم کی تعریف کر کے ان کے حق میں دعاء کرتے ایک روز ابوموسیٰ کے اسی طرح کرنے پر ضبہ بن محصن عنزی کھڑے ہو گئے اور یہ کہنے لگے اے ابوموسی تم اُن کے ساتھی کو کہاں بھولے ہوئے ہو کہ اُن سے پہلے اُن کا ذکر کر دیتے ہو کیا تم عمر کو ابوبکر پر فضیلت دیتے ہو اتنا کہہ کر یہ بیٹھ گئے مگر پھر اُٹھے اور پھر یہی کہا. جب اُنہوں نے کئی بار ایسا کیا تو ابوموسی نے اُنہیں تو خاموش کر دیا اور شکایت کے طور پر لکھ بھیجا کہ ضبہ ہم پر ہمیشہ طعن کرتے رہتے ہیں لہٰذا آپ اُن کا انتظام کیجئے. اس پر فاروق نے ضبہ کو مدینہ آنے کا حکم بھیجا چنانچہ جب ضبہ مدینہ میں آئے اور فاروق کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اُنہیں دیکھتے ہی افسوس سے یہ فرمایا کہ نہ ضبہ کو مرحبا ہوا اور نہ اسکے اہل ہو ضبہ عنزی اس کے جواب میں بولے خیر مرحبا اور خوشی تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے لیکن اہل کی بابت یہ ہے کہ اگر میرے اہل اور مال نہ تھا تو آپ نے میرے شہر سے میرے آدمیوں سے مجھے علیحدہ کر لینا کس طرح حلال کر لیا نہ میں نے ایسا کوئی گناہ کیا ہے نہ اور کوئی فعل ایسا کیا ہے آپ نے پوچھا کہ

تمہارے حاکم میں اور تم میں کیا جھگڑا ہو گیا ہے (ضبہ کہتے ہیں) میں نے کہا اے امیر المومنین جو بات ہے وہ میں کہے دیتا ہوں قصہ یہ ہے جس وقت ابو موسیٰ خطبہ پڑھتے ہیں تو اول اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں. پھر نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور اُس کے بعد تمہارے لیے دعا کرنے لگتے ہیں اس سے مجھے اُن پر غصہ آ گیا میں نے اُنہیں ڈانٹا کہ تم اُن کے ساتھی ابوبکر کو کہاں بھولے ہوئے ہو کیا عمر کو اُن سے افضل سمجھتے ہو بس اتنی بات پر آپ کو اُنہوں نے میری شکایت لکھ بھیجی راوی کہتا ہے کہ فاروق اتنا سنتے ہی روتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے اے ضبہ قسم ہے اللہ کی تم ان سے زیادہ حق کے موافق اور راہ راست پر ہو اور اے مہربان کیا تم میری خطا معاف کر دو گے. اللہ تمہاری خطائیں معاف کر دے گا.
میں نے کہا اے امیر المومنین اللہ تمہیں بخشے میں نے تمہاری خطا کو معاف کیا. پھر آپ روتے ہی روتے یہ کہنے لگے قسم ہے اللہ کی ابوبکر کی تو ایک رات اور ایک دن عمر کیا عمر کے سارے گھر والوں کے عملوں سے بہتر ہے اے ضبہ اگر تمہارا دل چاہے تو میں اُن کے اُس رات اور دن کو تم سے بیان کر دوں میں نے کہا ہاں اے امیر المومنین فرمایئے فرمایا کہ رات تو تو اُن کی وہ ہے کہ جب اللہ کے سچے پیغمبر ختم المرسلین ﷺ نے مکہ سے ہجرت کی ہے تو آپ راتوں رات مکہ سے نکل گئے تھے حضور انور ﷺ کے پیچھے ہی پیچھے ابوبکر بھی ہو لیے لیکن مارے اضطراب کے ابوبکر کی یہ حالت تھی کہ کبھی حضور انور کے آگے ہوتے ہیں کبھی پیچھے چلتے ہیں کبھی دائیں آتے ہیں تو کبھی بائیں محض اس خیال سے کہ میری جان جائے تو جائے لیکن حضور انور ﷺ کا بال بیکا نہ ہو رسول ﷺ نے اُن کی یہ اضطرابی دیکھ کر پوچھا کہ اے ابوبکر کیا ہے میری سمجھ میں نہیں آیا کہ تم کیا کر رہے ہو ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ گھاتیوں کا خیال کرتا ہوں تو آپ کے آگے ہو جاتے ہوں کہ بہتر ہے پہلا وار مجھ پر ہی ہو اور پیچھے سے دوڑ آنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو آپ کے پیچھے ہو جاتا ہوں. اور اسی خیال سے کبھی دائیں اور کبھی بائیں ہو جاتا ہوں غرض کہ حضور انور اُنگلیوں کی چھاؤں میں چلتے رہے یہاں تک کہ پھر کچھ درختوں وغیرہ کی آڑ ہو گئی اُس وقت ابوبکر نے آپ کو کندھے پر سوار کر لیا اور ایک غار پر پہنچ کر اُتار دیا۔ پھر یہ عرض کیا قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے آپ ابھی اندر نہ جایئے جب تک میں نہ اندر جا لوں کیونکہ اگر اُس میں کوئی موذی شے ہے تو بہتر ہے کہ مجھ ہی کو تکلیف دے لے اور آپ سلامت

رہیں۔ چنانچہ آپ اُس میں اُترے اور آپ کو کوئی شے اندیشہ کی وہاں نہ معلوم ہوئی تب آپ حضور انور کو گود میں اُٹھا کر اندر لے گئے جب اندر پہنچے تو صدیق کو سانپوں کے سوراخ معلوم ہوئے لیکن ایسی کوئی شے نہ ملی جس سے اُنہیں بند کر دیتے اخیر ابوبکر نے بڑی دلیری سے اپنے ہاتھ پاؤں اُن پر لگائے کہ فوراً اندر سے سانپوں نے ابوبکر کو ڈسنا اور کاٹنا شروع کیا اس تکلیف کی وجہ سے ابوبکر کے آنسو نکل آئے حضور انور کے مبارک رخساروں پر گرنے لگے لیکن ابوبکر نے آواز نہ نکالی اسی وجہ سے حضور انور کو یہ خبر نہ ہوئی کہ میرے صدیق اکبر کو سانپ ڈسے جا رہے ہیں آپ یہ سمجھے کہ ابوبکر مشرکین کے اندیشہ سے رو رہے ہیں۔ اس لیے آپ یہ فرماتے رہے کہ اے ابوبکر آزردہ نہ ہو کیونکہ ہمارے ساتھ تو اللہ ہے پھر اللہ نے ابوبکر پر تسکین اور اطمینان نازل فرما دیا۔ پس یہ تو ابوبکر کی رات تھی اور دن اُن کا یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو اکثر عرب مرتد ہو گئے بعض کہتے تھے کہ ہم نماز پڑھیں گے اور زکوۃ نہ دیں گے بعض کہتے تھے کہ ہم زکوۃ دیں گے لیکن نماز نہ پڑھیں گے پھر میں ابوبکر کے پاس پہنچا اور اُنہیں سمجھانے اور نصیحت کرنے میں، میں نے کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا میں یہی کہتا تھا کہ اے رسول اللہ کے خلیفہ لوگوں سے الفت رکھو اور اُن پر نرمی کرو اس پر ابوبکر نے مجھ سے فرمایا کہ ہائیں کیا تم جاہلیت ہی میں رستم بنے ہوئے تھے اور اب اسلام میں نامرد ہو گئے یاد رکھو رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے ہیں اور وحی آنی بھی ختم ہو گئی ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں اگر یہ لوگ ایک ذرا سی رسی یعنی زانو بندی بھی مجھ سے روک لیں گے جو رسول اللہ کو زکوۃ میں دیتے تھے تو میں اسی پر اُن سے جہاد کروں گا غرض یہ ہے خدا کی قسم ابوبکر اس امر میں راہ راست پر تھے پس یہ اُن کا وہ دن ہے پھر حضرت عمر نے ابوموسیٰ کو بہت سی ملامت لکھی فقط اب اگر کوئی یہ کہے کہ اُس میں عمر کا ذکر ہوتا تھا اس لیے کہ آپ سلطان اور زندہ تھے ہم کہتے ہیں کہ ابوبکر تو اُس وقت وفات پا چکے تھے اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ مردہ کا ذکر بھی خطبہ میں کرتے تھے۔

دوسرا جواب: یہ ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز خلفاء اربعہ کا ذکر اُس وقت کرنے لگے کہ جب بعض بنی امیہ علی کی شان کی میں بُرے الفاظ کہنے لگے اِس کے عوض میں انہوں نے خلفاء کا ذکر کر کے اُن سے رضامندی ظاہر کی تا کہ یہ سنت فاسد یا باطل مٹ جائے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ شیعی علماء نے جو منصور کا ایجاد کرنا ذکر کر کے اُس سے جو کچھ مقصود سمجھا ہے وہ سب باطل ہے کیونکہ ابوبکر و عمر منصور اور بنی امیہ سے پہلے خلافت کے والی ہوئے ہیں۔ لہٰذا منصور کے ان دونوں کے ذکر کرنے سے خود منصور اور اولاد علی کی ناک نہیں رگڑی جا سکتی۔ ہاں یہ اُس وقت ہو سکتا تھا کہ اگر بنی تیم یا بنی عدی میں سے خلافت کے بارے میں کوئی اُن کا مخالف ہوتا حالانکہ اس بارے میں ان میں سے انکا کوئی بھی مخالف نہیں ہوا۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کا یہ قول نہیں ہے کہ خطبہ میں خلفاء کا ذکر کرنا فرض ہے یا سنت بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ فقط علی ہی کا ذکر نا ائمہ اثنا عشر کا بے شک خلاف شریعت ہے کہ نہ اُسے صحابہ میں سے کسی نے کیا اور نہ تابعین بنی اُمیہ اور بنی عباس میں سے کسی نے کیا جیسا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ علی کو یا سلف سے اور کسی کو برا کہنا بالکل خلاف شریعت بدعت ہے۔ اگر خلفاء کا ذکر کرنا بدعت ہوگا باوجود یہ کہ خلفاء میں سے بہت سوں نے اُسے کیا ہے تو پھر فقط علی ہی کا ذکر کرنا باوجود یہ کہ ساری امت میں سے کوئی بھی اس طرف نہیں گیا بدر جہا بڑھ کر بدعت ہوگا اور اگر علی کے امیر المومنین ہونے کے باعث اُن کا ذکر کرنا مستحب ہو تو پھر ان تینوں کا ذکر کرنا جو خلفاء راشدین تھے بدرجہ اولیٰ مستحب ہوگا۔ لیکن حضرات شیعہ مطففین میں سے ہیں اہل سنت کی آنکھ میں تو ایک تنکا پڑا ہوا بھی ان میں ہر ایک کو نظر آ جاتا ہے اور اپنی آنکھ میں ستون اڑا ہوا بھی نظر نہیں آتا یہ سب جانتے ہیں کہ خلفاء ثلثہ پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور اُن کے زمانہ میں کفار ہی پر تلوار چلتی رہی ہے۔ مسلمانوں میں باہم کبھی تلوار نہیں چلی۔ اب اِن کے مقابلہ میں علی کو اِن سے بیعت ہونے پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے نہیں ہوا بلکہ اُس زمانہ میں ایک فتنہ برپا ہو گیا تھا اور اُس عرصہ کفار سے تلوار رُک کے اہل اسلام میں چلنی شروع ہو گئی تھی لہٰذا کسی کا تنہا علی کے ذکر پر اکتفا کرنا اور اُن سے پہلے خلفا کو نہ ذکر کرنا ان ائمہ کے ذکر کو چھوڑ دینا ہے۔ جو مسلمانوں کے اجتماع اور دشمن کے مقابلہ میں اُن کی امداد ہونے کے وقت امام تھے۔ جنہوں نے بہت سے شہروں سے اپنے دشمنوں کو بلا لیا تھا۔ کیونکہ اس فتنہ کے وقت شام اور خراسان کے کفار نے مسلمانوں کے شہروں کو لینے کا قصد کر لیا تھا اور وہ یہ سمجھ گئے تھے کہ مسلمان تو اب آپس میں ہی ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے میں مشغول ہو گئے ہیں اس وقت ان کے شہر لے لینے کوئی بات نہیں

ہے۔ لہٰذا یہ خلافت تامہ اور کاملہ کے ذکر کو چھوڑتا ہے اور ایسی خلافت کے ذکر پر اقتصار کرتا ہے جو نہ پوری ہوئی اور نہ اُس سے مقصود حاصل ہوا۔ یہی حجت اُن لوگوں کی تھی جو معاویہ کا ذکر کرتے تھے اور علی کا نہ کرتے تھے جیسا کہ اندلس وغیرہ میں کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ اپنے قول کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ معاویہ کے خلیفہ ہونے پر سب مسلمان متفق تھے۔ بخلاف علی کے اِس کے علاوہ ان سب سے زیادہ غلط خطبہ وغیرہ میں ائمہ اثنا عشر کا ذکر کرنا ہے یا دیواروں پر اُن کی تصویریں بنانا یا میت کو اُن کی بابت تلقین کرنا ہے۔ بلکہ یہی وہ بدعت ہے جس کا دین اسلام سے خلاف ہونا بالاضطرار معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ دین اسلام میں جس قدر امور بدعت ہیں یہ فعل اُن سب سے زیادہ بدعت ہے اگر کوئی خطیب (خلفاء) اربعہ کا ذکر نہ کرے تو اُس پر کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہاں انکار اس پر کیا جاتا ہے جو فقط ایک کو ذکر کرے اور اُن تینوں سابقین کو نہ ذکر کرے۔ جنکی خلافت اکمل اور جنکی سیرت افضل تھی جیسا کہ ابو موسیٰ پر انکار کیا گیا کہ اُنہوں نے عمر کا ذکر کیا اور ابوبکر کا نہ کیا باوجود یہ کہ اُس وقت عمر زندہ اور بادشاہ وقت تھے۔

پانچواں جواب: یہ ہے کہ خطباء سنت یعنی سنی خطبہ پڑھنے والے سارے ایسے نہیں ہیں کہ خطبہ میں چاروں ہی خلفاء کا ذکر کرتے ہوں بلکہ مغرب وغیرہ میں بہت سے خطباء ایسے ہیں کہ وہ ابوبکر عثمان کا ذکر کرتے ہیں اور امیر معاویہ کا ذکر نرمی سے کرتے ہیں لیکن علی کا ذکر نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی امامت پر تو سب مسلمانوں کا اتفاق تھا اور علی کی امامت پر سب کا اتفاق نہ تھا پس اگر خلفاء کے ناموں کو ذکر کرنا بہتر ہے تو بعض اہل سنت اُسے کرتے ہیں اور اگر بہتر نہیں ہے تو بعض اہل سنت اُسے نہیں بھی کرتے غرض کہ دونوں تقدیر پر اہل سنت سے حق خارج نہیں ہے۔

چھٹا جواب: یہ ہے کہ جمعہ کے دن منبر پر خلفاء راشدین کا ذکر کرنا جن لوگوں نے اختیار کیا ہے محض اس لیے کیا ہے کہ تا کہ جو لوگ اُنہیں بُرا کہتے اور اُن کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اُس کا بدلہ ہو جائے کیونکہ اُنہیں بُرائی سے یاد کرنے میں اسلام میں سخت فساد لازم آتا ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اِس لیے اُن کا ذکر اور اُن کی تعریف اور اُن کے حق میں دعا اعلان کے ساتھ کرتے ہیں تا کہ قدسی نفوس کے محامد و مناقب بیان کرنے یا اُن پر درود و سلام بھیجنے سے اُن طعنوں کا رد ہو جائے جو بعض لوگ اُن کی شان میں جائز رکھتے ہیں۔ کیونکہ حضور انور سے صحیح طور پر ثابت ہے آپ نے فرمایا

علیکم بسنتی والملة الخلفاء الراشدین المهدیین من بعدی تمسکوا بها وعضوا علیها بالغه اجدوا ایاکم و محدثات الامور فان کل بدعة ضلالة. یعنی تم میرے طریقہ پر رہنا اور میرے بعد میں خلفاء راشدین مہدیین کے طریقہ کا التزام رکھنا اور دانتوں سے مضبوط پکڑے رہنا اور جدید امور یعنی بدعت سے اپنے آپ کو بچانا کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہوتی ہے.

اِس کے علاوہ اُن کی خلافت کے ذکر کی بابت بہت سی حدیثیں ہیں اور چونکہ بنی امیہ میں بعض ایسے لوگ تھے جو علی کو بُرا کہتے تھے اور اُن کا یہ مقولہ تھا کہ علی خلفاء راشدین میں نہیں ہیں اور ان لوگوں کے بعد عمر بن عبدالعزیز حاکم ہو گئے تو اُس وقت یہی مشہور ہو گیا کہ خلفاء راشدین اربعہ کا ذکر منبر پر سب سے پہلے اُنہوں نے ہی کیا ہے. اُنہوں نے علی کی تعریف کی اور اُن کا ذکر کیا اور فضائل بیان کئے. ان لوگوں کے بعد جو اُن سے بغض رکھتے اور اُنہیں کافر بتاتے ہیں. لہٰذا ان دونوں کے ذکر کرنے میں مع ذکر ابوبکر وعمر کے ان خوارج پر رد ہوتا ہے. اب رہے شیعہ یہ لوگ تو ابوبکر عمر عثمان تینوں سے بغض رکھتے ہیں۔ اور اُنہیں بُرا کہتے ہیں بلکہ کافر بھی بتاتے ہیں لہٰذا ان حضرات کے ذکر کرنے اور اُن کے فضائل بیان کرنے میں شیعوں کی پوری مزاج پرسی ہے. خدابندہ کی حکومت میں شیعوں کی بن آئی تھی. شیعوں نے اپنے مذہب کو بڑھانا اور اہل سنت کو مٹانا چاہا اور بانیان فتنہ وفساد سے اُنہوں نے دوستی گانٹھ لی بدعت کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ وہ فتنہ وفساد پھیلائے جنہیں رب العباد کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اس وقت جو اُنہوں نے حیلے اور دھوکے کئے تھے من جملہ ان کے ایک یہ حیلہ بھی تھا کہ بعض لوگ جو اس وقت سنی کہلاتے تھے اُنہوں نے اُن سے خطبہ میں خلفاء راشدین کا ذکر کرنے کی بابت فتویٰ پوچھا کہ آیا یہ واجب ہے اُن میں سے جس نے یہ فتوی دے دیا کہ بے شک یہ واجب نہیں ہے یا تو وہ مفتی اُن کے مقصود سے ناواقف تھا یا اُن سے کچھ اُسے اندیشہ اور ہیبت ہو گئی اس وجہ سے اُس نے یہ فتوئی دے دیا مگر ان لوگوں کا مقصود فقط یہی تھا کہ خلفاء کا ذکر بند ہو جائے اور اُس کے عوض میں علی اور اُن گیارہ آدمیوں کا ذکر ہونے لگے جنہیں یہ لوگ اپنے گمان میں معصوم خیال کرتے ہیں۔ لیکن مفتی کو جس وقت یہ معلوم ہو جائے کہ مستفتی یعنی فتوی لینے والے کا مقصود یہ ہے کہ خلفاء کا ذکر چھوٹ جائے اور ائمہ اثنا عشر کا ہونے لگے اور حی علی خیر العمل پکارا جائے اور وہ اذان باطل ہو جائے جو حضور انور کے

زمانہ سے لیکر متواتر منقول ہوتی چلی آ رہی ہے اور اُن احادیث کا پڑھنا منع ہو جائے جو حضور انور سے صحیح طور پر اور طریقہ پر ثابت ہیں۔ اور اُن کے عوض وہ حدیثیں جاری ہو جائیں جنہیں مفتریوں نے گھڑ لیا ہے اور دین اسلام کے شرائع معلومہ یعنی مشہور مسائل باطل ہو جائیں اور اُن کے عوض گمراہ کرنے والی بدعتیں جاری ہو جائیں اور اس وسیلہ سے اُن ملحدوں اور بدینوں کے دین کا اظہار ہو جو در پردہ تو مذہب فلاسفہ کا رکھتے ہیں اور ظاہر دین اسلام کرتے ہیں اس کے علاوہ وہ اُن حضرات کے اور بہت سے مقاصد ہیں جن سے یہ اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ مکر کرتے ہیں۔ تو اُس وقت مفتی کو ایسا فتوی دینا جائز نہیں ہے جس سے اُن مفاسد تک نوبت پہنچ جائے چونکہ خلفاء راشدین کا ذکر کرنا ایسا تھا۔ جس سے وہ مقاصد حاصل ہوتے تھے جو ایسے احوال کے وقت مامور بہا ہیں تو ایسے احوال میں یہ ذکر بھی مامور بہا امور میں سے ہوگا اگرچہ یہ اُن واجبات سے نہ ہو۔ جو مطلقاً واجب ہوئے ہیں۔ اور نہ اُن سنن میں سے ہو جن کی ہر زمانہ اور ہر جگہ پابندی کی جاتی ہے۔ جیسا کہ جس وقت مسلمانوں اور کفار کا لشکر ہو۔ اور اُن کا بھی ایک شعار ہو اور اُن کا بھی ایک شعار ہو تو اس وقت اسلام کے شعار کا اظہار کرنا واجب ہے نہ کفر کا شعار ایسی حالت میں ہر وقت اور ہر جگہ واجب ہوتا ہے. پس جس وقت یہ فرض کر لیا جائے کہ واجبات شرعیہ قائم نہیں ہو سکتے جب تک کہ خلفاء راشدین کے ذکر کا اظہار نہ کیا جائے اور یہ کہ جس وقت یہ ترک ہوگا تو اہل بدعت اور گمراہوں کا شعار پھیل جائے گا تو یہ بھی اُن احوال میں مامور بہا ہو جائے گا اور وہ امور جو مامور بہا ہیں اُن ہی میں بعض ایسے ہیں جو ہمیشہ کے لیے واجب ہیں یا مسنون ہیں۔ جیسا کہ پانچوں نمازیں وتر اور فجر کی سنتوں کی دو رکعتیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو بعض اوقات میں مامور بہا ہوتے ہیں یعنی جس وقت کہ بلا اُن کے واجبات حاصل نہ ہوں اور بلا اُن کے محرمات مندفع نہ ہوں۔

ساتواں جواب: اگر یہ کہا جائے کہ خلفاء راشدین کا منبر پر ذکر کرنا اور بادشاہ وقت کے لیے دعا وغیرہ کرنا کرنا اس وقت جائز ہے کہ جب اس بارے میں علماء اور دین دار لوگ کلام کریں جو ادلہ شرعیہ کے موافق گفتگو کرتے ہیں تو اس میں اُن کی گفتگو مقبول ہوتی ہے۔ اور جو ان میں مصیب ہوتا ہے اُسے دو اجر ملتے ہیں اور جو مخطی ہوتا ہے اُسے اُس کے کرنے پر ایک نیکی ملتی ہے اور اُس کی خطا بخش دی جاتی

ہے۔ لیکن جب ان لوگوں کا قول لیا جائے جو اس کے عوض اپنے سے بھی بدتر کا ذکر کرتے ہیں جیسا کہ ابن التومرت کا گروہ جو اس امر کا مدعی تھا کہ مہدی معلوم امام معصوم میں ہی ہوتے ہیں جس وقت یہ لوگ اُس کا نام منبر پر لیں اور اُس کے وہ صفات بیان کریں جو جھوٹے ہیں اور وہ اُس کے گروہ کو امت مرحومہ کے خواص ٹھہراتے ہیں اور ابوبکر عمر عثمان علی خلفاء راشدین اور ائمہ مجتہدین مہدیین کے ذکر کو ترک کرتے ہیں۔ جن کا ثبوت قرآن حدیث اجماع سابقین اولین اور تابعین سے ثابت ہے کہ یہ اس امت کے بہترین اور افضل ہیں اور یہی خلفاء راشدین اور ائمہ مہدیین افضل القرون زمانوں میں تھے پھر ان مرتبہ لوگوں نے اس سے ترقی کر کے یہاں تک کہا کہ خلفاء اربعہ کا ذکر کرنا سنت بھی نہیں ہے بلکہ بدعت ہے تو یہ اُن کا کے امام ابن التومرت کے ذکر کرنے کے بالکل مردود ہے۔ کیونکہ جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اُسے اس بات میں کبھی شک نہیں ہوگا کہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی اس سے بہت بہتر اور نہایت ہی افضل تھے اور اُن کا حضور انور کے تابع ہونا اور آپ کے حکم پر قائم رہنا بہت ہی عمدہ طریقہ پر تھا۔ بلکہ اُن کے سوا خلفاء بنی امیہ بنی عباس میں سے کسی کا ذکر کرنا اس مہدی کے لقب والے کے ذکر سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ اُن کی خلافت اس تومرت کی خلافت سے بدرجہا بہتر تھی اُن کا اسلام پر قائم رہنا اُس کے قیام سے بدرجہا افضل تھا اُن کا شہر مشرق و مغرب میں اُس کے شہرہ سے بدرجہا بڑھ کر تھا۔ جو نیک افعال اُنہوں نے کیے وہ اُس کے افعال سے ہر طرح اعلیٰ و افضل تھے.

ان تومرتیہ کی بدکرداریاں جھوٹ، ظلم، جہالت، شرارت، اس قدر ہیں کہ انہوں کبھی ایسی نہیں کیں.

اب یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ تومرت مہدی ہو جائے اور نہ ہوں یا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ خطبہ میں اُس کا ذکر کرنا اور اُس کے اوصاف بیان کرنا تو واجب ہو اور اُن کے ذکر اور اوصاف کا بیان کرنا واجب نہ ہو اور جو شخص ایسے آدمی کا ذکر زبان پر لاتا ہو وہ ایسے لوگوں کے ذکر کا کیونکر اور کس طرح انکار کر سکتا ہے اور اس سے بھی بدرجہا بڑھ کر اُن امامیہ کا انکار ہے جو سرے سے خلفاء راشدین ہی کا انکار کرتے ہیں اور اُن کے بدلے بارہ آدمیوں یعنی اپنے اثنا عشر اماموں کا ذکر کرتے ہیں. حالانکہ خلفاء ثلثہ میں سے ایک ایک ان بارہ کے بارہ سے بدرجہا افضل اور خلافت و امامت میں ہر طرح سے اکمل ہے اور ان اثنا میں کئی قسم کے آدمی ہیں بعض تو صحابہ ہیں جن کے لیے جنتی ہونے کی گواہی ہو چکی

ہے مثلاً حسن اور حسین لیکن ان کے وصف میں صحابہ کی ایک کثیر مخلوق اُن کے شریک اور برابر ہے جنتی ہونے کی اُن کے حق میں بھی گواہی ہو چکی ہے اور سابقین اولین میں تو بعض ایسے ہیں جو ان دونوں سے افضل ہیں مثلاً اہل بدر اور اگر یہ دونوں اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں تو ابوبکر و عمر اہل جنت کے ادھیڑوں کے سردار ہیں اور یہ صنف اس صنف سے اکمل ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ دونوں حضور انور ﷺ کے نواسے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ باتفاق اہل سنت و شیعہ علی بن ابو طالب ان دونوں سے افضل ہیں حالانکہ یہ حضور انور کے نواسہ نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ حضور انور ﷺ کے نواسے سب سے افضل ہیں ابراہیم حضور انور ﷺ کے صاحبزادے ان دونوں کی نسبت حضور انور سے زیادہ قریب ہیں اور وہ بھی سابقین اولین سے افضل نہیں علی ہذا القیاس۔ امامیہ ابو العاص کی بیٹی حضور انور کی نواسی ہے اور حضور انور کی صاحبزادی سے عثمان کے ہاں بھی اولاد ہوئی ہے اُن کو بھی افضل کہنا چاہیے اور اگر کوئی یہ کہے کہ علی حضور انور کے چچا کے بیٹے ہیں اس لیے یہ یا اُن کی اولاد افضلیت کی مستحق ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ حضور انور چچوں میں یا چچوں کی اولاد میں بہت سے مسلمان ہیں۔ جو حضور انور کی صحبت میں رہے ہیں مثلاً حمزہ، عباس اور عباس کے دو بیٹے عبداللہ فضل اور ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب ان میں حمزہ عباس سے افضل ہیں۔ اور علی و جعفر اوروں سے افضل ہیں علی عباس سے افضل ہیں اب اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ فضیلت ایمان اور تقوی کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ نسب کے سبب سے اس کے علاوہ اثنا عشر میں بعض ایسے بھی ہیں جو علم اور دین میں مشہور ہیں مثلاً علی بن حسین اور اُن کے صاحبزادے ابو جعفر پھر ان کے صاحبزادے جعفر بن محمد مگر اس امت میں ان جیسی اور ان سے افضل ایک کثیر مخلوق ہے ان ہی اثنا عشر میں ایک منتظر ہے۔ جس کے ظہور کے امامیہ منتظر ہیں اس کا کہیں وجود نہیں وہ ایسا مفقود الخبر ہے کہ اُس سے اُنہیں کوئی نفع نہیں ہے اس کے اتباع میں سوائے شر محض کے کوئی بھلائی نہیں ہے باقی جو اور اثنا عشر ہیں ان جیسے علم اور دین میں بنی ہاشم کے اندر علویین اور عباسین بے انتہا ہیں بلکہ بعض اُن سے بھی زیادہ دیندار اور عالم ہیں۔ اب یہ کیونکر اور کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ وہ خلفاء راشدین کے جنس سے اسلام میں کوئی افضل نہیں ہے ان کے ذکر پر ایسا شخص نکتہ چینی کرے جو اُن کے بدلے میں ایسے مسلمانوں کا ذکر کرتا ہے کہ ان

سے ایک کثیر مخلوق افضل ہے اور بہت سے مسلمان اس کثیر مخلوق کے ذریعہ سے اپنے دین و دنیا اس سے کئی کئی گنا زیادہ نفع اُٹھا چکے ہیں۔ جو ان امامیہ نے اثنا عشر سے اُٹھایا ہے ساتھ ہی اس کے یہ ہے کہ ہمارے احباب ان کا ذکر تو کرتے ہیں مگر ان کی منشاء اور دلی مقصود تمام مسلمانوں سے دشمنی اور اُس میں کامیاب ہونے کے لیے کفار اور منافقین سے مدد مانگنی اور اللہ کے اس دین حق و ہدایت کو نیست و نابود کر دینا ہوتا ہے۔ مگر اس میں کامیابی اس لیے نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ اُس کی حفاظت کا وعدہ کر چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطنت اور حکومت جانے پر بھی دین اسلام ترقی پر ترقی کرتا رہا ہے۔ فقط

مسح کی بحث: شیعی علماء فرماتے ہیں دونوں پیروں کا مسح کرنے کی اللہ نے اپنی سچی کتاب قرآن کریم میں نص کردی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ ابن عباس کا قول ہے کہ عضوان مغسولان و عضوان ممسوحان یعنی دو عضو دھوئے جاتے ہیں اور دو عضووں پر مسح کیا جاتا ہے لیکن سنیوں نے اُس کے معنی بدل دیے اور غسل یعنی اُن کا دھونا واجب کر دیا۔

جواب: مسح کا لفظ ایک جنس ہے جس کے تحت میں دو نوع ہیں اسالت، غیر اسالت یعنی پانی بہانا اور نہ بہانا عرب میں مسح کا لفظ ان دونوں معنی میں مستعمل ہے جو مسح اسالت کے ساتھ ہو وہی غسل ہے جس کے معنی دھونے کے ہیں اور جیسے ایک نوع غسل کے نام کے ساتھ مخصوص ہو گئی ہے اسی طرح دوسری نوع مسح کے نام کے ساتھ مخصوص ہو جاتی ہے۔ غرض یہ ہے کہ مسح کا لفظ اُس عام مسح پر بھی بولا جاتا ہے جس میں دھونا بھی ہے اور اُس خاص پر بھی بولا جاتا ہے جس میں دھونا نہیں ہے اسکی نظیریں بہت سی ہیں مثلاً ذوی الارحام کا لفظ تمام عصبوں اور ذوی الفروض وغیرہ پر بولا جاتا ہے۔ پر جب عصبوں اور ذوی الفروض کا نام خاص خاص ہو جاتا ہے تو عرف میں ذوی الارحام کا لفظ اُن ہی لوگوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے جو عصبہ اور ذوی الفروض ہونے کے باعث وارث نہ ہوتے ہوں اس طرح جائز اور مباح کا لفظ ہے جو اُس چیز پر بولا جاتا ہے جو حرام نہ ہو مگر پھر کبھی مخصوص بھی ہو جاتا ہے علی ہذا القیاس۔ ممکن کا لفظ ہے جو اُس پر بولا جاتا ہے جو ممتنع نہ ہو اور کبھی اُس کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے جو نہ واجب ہو نہ ممتنع ہو ایسا ہی حیوان کا لفظ ہے جو انسان و حیوان دونوں پر بولا جاتا ہے۔ مگر کبھی غیر

انسان کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے اور اس کی مثالیں اور بہت سی ہیں کہ جب ایک نوع کے لیے ایک نام مخصوص ہو گیا تو پھر وہ عام نام دوسری نوع کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مسح کا لفظ بھی اسی قسم کا ہے قرآن مجید کے لفظوں سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں پیروں کے مسح کرنے سے یہ مسح مراد نہیں ہے جو دھونے کا قسیم یعنی مقابل ہے بلکہ وہ مسح مراد ہے جس کی ایک قسم دھونا ہے اُس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ پاک نے الی الکعبین فرمایا ہے۔ الی الکعاب نہیں فرمایا جیسا کہ الی المرافق فرمایا ہے اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ پیر میں ایک ٹخنہ نہیں ہے جیسے ہاتھ میں ایک ہی کہنی ہے بلکہ ہر ایک پیر میں دو ٹخنے ہیں تو گویا اللہ نے دونوں اُبھری ہوئی ہڈیوں تک مسح کرنے کا حکم دیا ہے اور یہی دھونا ہے کیونکہ جو شخص خاص مسح کرتا ہے وہ قدم کی زہر ہی پر کیا کرتا ہے نہ کہ ٹخنوں تک اور اللہ کے اس طرح ذکر کرنے میں کہ پہلے دو عضووں میں دھونا فرمایا ہے اور پچھلے دو عضووں میں مسح کرنا اس پر تنبیہ ہے کہ ان دونوں عضووں میں عام مسح کرنا واجب ہے پس کبھی تو اُن میں خاص ہی مسح کافی ہو جاتا ہے جیسا کہ سر اور عمامہ کا مسح کرنے اور جرابوں پر مسح کرنے میں اور کبھی وہ کامل مسح ضروری ہوتا ہے جس کے معنی دھونے کے ہیں جیسا کہ ننگے پیروں میں یعنی جب کہ اُن پر جرابیں نہ ہوں پھر جرابوں پر مسح کرنا اور دونوں پیروں کو دھونا حضور انور سے متواتر ثابت ہے مگر ہمارے احباب شیعہ اس متواترہ سنت کی مخالفت کرتے ہیں جیسا کہ اسی قسم کے اور امور میں خوارج مخالفت کرتے ہیں اور اپنے خیال سے یہ کہتے ہیں کہ یہ ظاہر قرآن کے خلاف ہے حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو دونوں پیروں کو دھونے اور جرابوں پر مسح کرنے کا تواتر چوتھائی دینار یا تین درہم یا دس درہم کے چرانے پر ہاتھ کاٹنے کے تواتر سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے اور پیروں پر مسح کرنے کو کہنے میں اس پر تنبیہ ہے کہ پیر دھونے میں پانی کم گرایا جائے کیونکہ عادۃً پیر دھونے میں اسراف زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس آیت میں دو قرائت مشہور ہیں ایک جر کی دوسری نصب کی۔ پس جنہوں نے ارجلکم پر نصب پڑھا ہے اُن میں اکثر کا قول یہ ہے کہ یہاں پیر دھونے کا حکم ہو گیا۔ یعنی آیت کے یہ معنی ہیں کہ اپنے سروں کا مسح کرو اور پیروں کو ٹخنوں تک دھوؤ جیسا کہ دو آیتیں ہوتی ہیں اور جن کا یہ قول یہ ہے کہ یہ جار اور مجرور کے محل پر عطف ہے۔ تو اُن کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ اپنے سروں کا اور ٹخنوں تک پیروں کا مسح کرو

لیکن عرب میں تحت الرجل اور مسحت بالرجل کے ایک معنی نہیں ہیں کیونکہ جب اُسکے تعدیہ میں ب لائی گئی تو معلوم ہوا کہ اس سے الصاق کے معنی مراد ہیں اور جب کسی نے مسحہ کہا تو اُس نے الصاق کے معنی ہونے ضروری نہیں ہیں۔ بلکہ اسطرح کہنا بالا جماع فقط ہاتھ سے چھونے کو مقتضی ہے اب یہ بات نکل آئی کہ اس لفظ کو ب کے ساتھ استعمال کرنے کے وقت پانی کے ساتھ چھونا ضروری ہے اور یہ مجمل ہے کہ پانی سے کس طرح چھوا جائے اس کی تفسیر حدیث نے کردی جیسا کہ جر کی قرائت میں ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن شریف میں غسل واجب ہونے کی نفی نہیں ہے بلکہ اس میں مسح کرنے کا وجوب ہے اب اگر یہ بھی فرض کرلیا جائے کہ جو حکم قرآن شریف نے واجب کیا تھا سنت نے اِس سے کسی قدر اور زیادہ واجب کر دیا ہے تو اُس میں قرآن کے معنی کا نفع کر دینا نہیں ہے۔ چہ جائے کہ جب سنت نے اُس کی تفسیر ہی کی ہو اور اُس کے معنی بیان کر دیئے ہوں۔ پھر کس طرح اُس کو رفع شمار کیا جائے حاصل کلام یہ ہے کہ حضور انور ﷺ کی سنت ہی قرآن شریف کی تفسیر اور اُس کے معنی بیان کرتی اور اُس کی دلیل ہوتی ہے پس قرآن اور متواترہ سنت اُن معنی کو مقتضی ہیں جو ظاہر قرآن سے بعض علماء سمجھے ہیں کیونکہ حضور انور لوگوں سے قرآن کے لفظ اور معنی دونوں بیان کر دیتے تھے. جیسا کہ ابو عبدالرحمٰن سلمی فرماتے ہیں کہ ہم سے اُن لوگوں نے بیان کیا جنہوں نے عثمان بن عفان اور عبداللہ بن مسعود وغیرہ سے قرآن شریف پڑھا تھا کہ یہ لوگ جب حضور انور سے دس آیتیں پڑھ لیتے تھے تو جب تک اُن کے معنی نہ سیکھ لیتے تھے آگے نہ بڑھتے تھے. اب امامیہ جو یہ کہتے ہیں کہ پیروں پر مسح کرنا فرض ہے ان دونوں ٹخنوں تک کہ جو مجمع الساق ہیں تو یہ ایسا قول ہے کہ قرآن شریف میں اُس کی کوئی بھی دلیل نہیں ہے۔ نہ اُس میں حضور انور ﷺ سے کوئی حدیث معروف ہے اور نہ سلف امت سے منقول ہے بلکہ اس میں ہمارے احباب امامیہ، قرآن شیرف، سنت متواترہ، اجماع، سابقین اولین اور تابعین کے خلاف کرتے ہیں۔ کیونکہ ادجلکم میں جر کی قراءت کی تحقیق تو پہلے گزر چکی ہے باقی نصب کی قراءت کی صورت یہ ہے کہ محل پر عطف اس صورت میں ہوتا ہے کہ جب دونوں لفظوں کے معنی ایک ہی ہوں. مثلاً مسحت براسی ورجلی کے اگر وہی معنی ہوں. جو مسحت راسی ورجلی کے ہیں تو محل پر عطف ہوسکتا ہے. لیکن یہاں ایک معنی نہیں ہیں بلکہ مختلف ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ

کے قول وارجلکم بالنصب کا عطف وایدیکم پر ہے جیسا کہ اُن لوگوں کا قول ہے جنہوں نے
اس طرح پڑھا ہے اور اُس وقت یہ قرائت دھونا واجب ہونے پر نص ہے۔ اس کے علاوہ دونوں
قرائتوں میں سے ایک میں بھی کوئی امر ایسا نہیں ہے جو ظاہراً اُن امامیہ کے دعوے کی دلیل بن سکے۔
اس لئے اب یقیناً ثابت ہو گیا کہ اہل سنت والجماعت نے قرآن ہی سے تمسک کیا ہے اور اہل اقوال
ضعیفہ میں سب کا یہ حال ہے کہ جب اُنہیں کسی مسئلہ کی تحقیق نہیں ہوتی تو وہ سنت کی مخالفت، پر ظاہر
قرآن کو آڑ بنا لیتے ہیں باوجود یہ کہ ظاہر قرآن میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو سنت کے خلاف ہو۔

متعہ کی بحث: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ دونوں متعے جو قرآن مجید سے ثابت ہیں مثلاً متعہ حج کی
بابت اللہ نے فرمایا۔ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۔ یعنی جو کوئی
عمرہ کو حج سے ملا کر فائدہ اُٹھائے تو پھر جیسی قربانی اُسے میسر ہو کر دے اور چونکہ نبی ﷺ نے قارن ہو
کے حج کیا تھا اس لیے اس متعہ یعنی فائدے کے فوت ہونے پر حضور انور نے بہت افسوس کیا تھا اور یہ
فرمایا تھا اگر مجھے پہلے سے یہ بات معلوم ہو جاتی جو اب بعد میں معلوم ہوئی ہے تو میں ہدی نہ لاتا۔
کیونکہ ہدی ساتھ لانے کی وجہ سے آدمی قارن ہو جاتا ہے۔ پھر وہ یہ متعہ حاصل نہیں کر سکتا اور عورتوں
سے متعہ کرنے کی بابت اللہ نے فرمایا۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً اور یہ
متعہ نبی ﷺ کے زمانہ میں پھر ابو بکر کی خلافت میں اور کچھ عرصہ عمر کی خلافت میں برابر رائج رہا پھر
ایک روز عمر نے ممبر پر بیٹھ کے یہ کہا کہ یہ دونوں متعے جو نبی ﷺ کے زمانہ میں حلال اور جائز کئے گئے
تھے اب میں ان دونوں سے منع کرتا ہوں آئندہ کوئی نہ کرے۔

جواب: حج کا متعہ اس کے جواز پر تو ائمہ مسلمین میں سب کا اتفاق ہے مگر شیعوں کا یہ دعویٰ ہے کہ
اہل سنت والجماعت نے خود اسے حرام کر لیا ہے۔ اُن پر بہتان ہے بلکہ اکثر علماء سنت اس متعہ کو مستحب
کہتے ہیں اور اسے ترجیح دیتے ہیں یا واجب تک کہتے ہیں۔ اب رہا متعہ سو ایک ایک جامع لفظ ہے اس
کے لیے جو حج کے مہینوں میں عمرہ کرے اور ایک ہی سفر میں عمرہ اور حج دونوں کر لے برابر ہے کہ عمرہ کر
کے اپنے احرام سے حلال ہو جائے اور پھر حج کا احرام باندھ لے یا بیت اللہ کا طواف کرنے سے پہلے
حج کا احرام باندھ لے اور قارن ہو جائے اور کبھی متعہ سے مراد حج کے مہینوں میں فقط عمرہ ہی کرنا ہوتا

ہے اور اکثر علماء مثلاً امام احمد وغیرہ فقہاء حدیث میں سے اور امام ابوحنیفہ وغیرہ فقہاء عراق میں سے
اور ایک قول کے مطابق شافعی وغیرہ فقہاء مکہ میں سے اس متعہ کو مستحب فرماتے ہیں۔ اگر چہ اُن میں
سے بعض قران کو ترجیح دیتے ہیں جیسے امام ابوحنیفہ اور بعض خاص تمتع کو ترجیح دیتے ہیں جیسا امام شافعی
اور امام احمد کے مذہب میں ایک قول ہے اور صحیح اور احمد کی نص سے صریح یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہدی
ساتھ لے جائے تو اُس کو قران کرنا افضل ورنہ عمرہ کر کے اپنے احرام سے حلال ہو جانا افضل ہے۔
کیونکہ یہ پہلی صورت تو وہی ہے جو حجۃ الوداع میں حضور انور نے کی تھی کہ آپ ہدی لے گئے تھے اور
قران کیا تھا اور یہ دوسری صورت وہ ہے جس کا حضور انور نے اپنے اُن اصحاب کو حکم دیا تھا جو ہدی نہیں
لے گئے تھے۔ بلکہ اکثر اہل سنت والجماعت تو ایسے ہی ہیں کہ جو اس متعہ کو واجب کہتے ہیں جیسا کہ
ابن عباس سے مروی ہے اور یہی قول اہل ظاہر یعنی ابن حزم وغیرہ کا ہے۔ ابن عباس کا بیان یہ ہے کہ
حضور انور نے حجۃ الوداع میں اپنے اصحاب کو اس متعہ کا حکم دیا۔ غرض جب اس کے جواز پر سب اہل
سنت متفق ہیں اور ان میں اکثر اُس کو مستحب کہتے ہیں اور بعض واجب بھی کہتے ہیں تو اب یقیناً معلوم
ہو گیا کہ شیعی علماء نے اہل سنت کی طرف جو اُس کی حرمت ایجاد کرنے کیا ذکر کیا ہے یہ اُن پر بلا شک
وشبہ بہتان ہے۔ اب رہا فاروق اعظم کی بابت جو بیان کیا ہے اُس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہم تسلیم
کرتے ہیں کہ بے شک فاروق اعظم نے ایک بات ایسی فرمائی تھی جس میں بعض صحابہ اور بعض تابعین
نے اُن کے خلاف کیا تھا حتیٰ کہ عمران بن حصین نے صاف یہ کہ دیا تھا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے
زمانہ میں تمتع کیا ہے اور اللہ پاک اور سچی کتاب میں بھی اس کا حکم ہے اب اس بارے میں جو چاہے
کوئی اپنی رائے سے کہہ دے اسے صحیحین میں نقل کیا ہے اور سب اہل سنت والجماعت اس پر متفق ہیں
کہ آدمیوں میں ہر ایک کا قول لیا بھی جاتا ہے اور متروک بھی کر دیا جاتا ہے یعنی کوئی قول معمول بہ ہوتا
ہے اور کوئی نہیں ہوتا سوائے رسول اللہ ﷺ کے کہ آپ کے سب اقوال ضروری اور معمول بہا ہیں پس
اگر شیعی علماء کا مقصود اس سے تمام اہل سنت پر طعن اور رد کرنا ہے تو اس سے اُن پر رد نہیں ہو سکتا اور اگر
یہ مقصود ہے کہ فاروق اعظم نے یہ مسئلہ غلط بیان کیا تھا تو غلطی سے وہ اپنے کو منزہ نہیں سمجھتے۔ فاروق
اعظم سے تو بہ نسبت علی کے بہت ہی کم غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ دیکھو علماء نے فقہ کے وہ مسائل جمع

کئے ہیں جن میں اُن میں سے ایک کا قول ضعیف ہے پھر تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ زیادہ تر ضعف علی ہی کے قول میں ہوتا ہے مثلاً علی کا یہ فتویٰ دینا کہ جس عورت کا شوہر مر جائے اور اُسے حمل ہو تو وہ دونوں عدتوں میں زیادہ عرصہ والی عدت پوری کرے باوجود یہ کہ حضور انور علیہ کی سنت جو آپ سے ثابت اور اللہ کی کتاب کے موافق ہے اس کا مقتضا یہی ہے کہ ایسی عورت وضع حمل ہی سے حلال ہو جاتی ہے یعنی اُس کی عدت ختم ہو جاتی ہے اور اُسی کے موافق عمر اور ابن مسعود نے فتویٰ دیا تھا. دوسرے علی کا یہ فتویٰ کہ مفوضہ عورت کا شوہر مرنے سے اُس کا مہر جاتا رہتا ہے اور ابن مسعود وغیرہ نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ ایسی عورت کو اور عورتوں کی طرح مہر ضرور ملے گا جیسا کہ اشجعیون نے واثق کی بیٹی بروع کی بات حضور انور سے نقل کیا ہے۔ علیؓ کے اپنے ہی اقوال میں جو طلاق، ام ولد، فرائض وغیرہ کے بارے میں ہیں اس کثرت سے تناقض ہے کہ عمرؓ کے اقوال میں اتنا نہیں ہے اور اگر شیعی علماء کی تمتع سے مراد حج کو فسخ کر کے عمرہ کر لینا ہے تو اس مسئلہ میں فقہاء کا اب بھی اختلاف ہے۔ فقہاء حدیث مثلاً امام احمد وغیرہ تو حج کو فسخ کر کے عمرہ کر لینے کو مستحب کہتے ہیں اور بعض اُن میں سے اُسے واجب کہتے ہیں جیسے اہل ظاہر اور یہی قول ابن عباس کا ہے اور یہی شیعہ کا مذہب ہے. باقی امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی حج فسخ کرنے کو جائز نہیں کہتے اور اُس میں صحابہ کا بھی اختلاف ہے ان میں سے اکثر سے جائز کہتے تھے ابوذر اور صحابہ سے یہ مروی ہے کہ اُنہوں نے اس سے منع کیا تھا پس اگر یہ فسخ کرنا ٹھیک ہے تو بھی یہ اہلسنت کے اقوال میں سے ہے اور اگر ٹھیک نہیں ہے تو یہ بھی اہل سنت کے اقوال میں سے ہے خلاصہ یہ ہوا کہ حق اہل سنت سے کسی طرح نہیں نکلتا نہ جائز ہونے کی صورت میں اور نہ ناجائز ہونے کی صورت میں کیونکہ ان میں دونوں طرح کے قول ہیں اور اگر شیعی علماء کا اعتراض فقط عمر ہی پر ہے اس وجہ سے کہ اُنہوں نے اس متعہ سے منع فرما دیا تھا تو ابوذر اس سے منع کرنے میں عمر سے بھی کئی قدم بڑھے ہوئے تھے۔ وہ علی الاعلان کہتے تھے کہ بیشک یہ متعہ رسول اللہ علیہ کے اصحاب ہی کے ساتھ مخصوص تھا باوجود یہ کہ شیعی علماء ابوذر کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے ہیں پس اگر اس مسئلہ میں غلطی قدر کرنے کا باعث ہوتی ہے۔ تو لائق یہ ہے کہ پہلے ابوذر پر قدح کی جائے اور نہیں تو اُنہیں چھوڑ کر عمر فاروق پر قدح کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے حالانکہ عمر فضیلت میں اُن سے افضل

فقہ میں ان سے افقہ اعلم میں اُن سے اعلم بلکہ ہر کمال میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ عمر نے حج کرنے کے متعہ کو حرام نہیں کیا تھا۔ بلکہ اُن سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ جب صبی بن معبد نے آپ سے یہ کہا کہ میں نے حج اور عمرہ کا اکٹھا ہی احرام باندھ لیا ہے تو آپ نے یہ جواب دیا کہ تو نے اپنے نبی کی سنت کے موافق کیا ہے اُسے نسائی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ عبداللہ بن عمر بھی اس متعہ کو جائز کہتے اور اُس کا حکم دیتے تھے لوگوں نے اُن سے کہا کہ تمہارے والد نے تو اس سے منع کر دیا تھا آپ نے فرمایا کہ میرے والد کی یہ مراد نہیں تھی جو تم سمجھ رہے ہو لیکن جب لوگوں نے اس پر زیادہ اصرار کیا تو آپ نے انقطاعی لہجہ میں یہ جواب دے دیا کہ بس رسول اللہ کا حکم اتباع کرنے کے زیادہ لائق ہے یا عمر کا، فاروق اعظم سے صحیح طور پر ثابت ہے آپ نے فرمایا تھا کہ اگر میں حج کرتا تو تمتع ہی کرتا اور اصل میں عمر کا اس سے منع کرنے سے یہ مقصود تھا کہ حکم اُس چیز کا دیا جائے یعنی وہ عمل کیا جائے کہ جو سب میں افضل ہو۔ یہ لوگوں نے اس متعہ کی آسانی کی وجہ سے حج کے مہینوں کے علاوہ اور مہینوں میں عمرہ کرنا ہی چھوڑ دیا تھا کیونکہ سب نے یہ سمجھ لیا تھا کہ بس متعہ کے طور پر حج ہی کے ساتھ عمرہ بھی کرتے آئیں گے۔ اس فاروق اعظم خلیفہ وقت نے یہ چاہا کہ پورے سال بیت اللہ خالی نہ پڑا رہنا چاہیے کیونکہ جب حج کے مہینوں میں لوگ حج ہی کریں گے تو پھر باقی تمام سال یکے بعد دیگرے عمرے کرتے رہیں گے اس پر فقہائے اربعہ وغیرہ سب کا اتفاق ہے کہ حج کے مہنوں میں حج کے عمرہ کرنے سے اور مہینوں میں عمرہ کرنا افضل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے قول **وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔** میں عمر اور علی دونوں نے یہ فرمایا تھا کہ اس پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں کے لیے اپنے اپنے گھروں سے احرام باندھ کے آؤ اُن کا مطلب یہ تھا کہ حج کے لیے علیحدہ سفر کرو اور عمرہ کے لیے علیحدہ ورنہ اُن کے لیے اپنے اپنے گھروں سے احرام انہوں نے خود بھی نہیں باندھا نہ ایسا حضور انور ﷺ نے کیا نہ آپ کے اور خلفاء میں سے کسی نے کیا جب حاکم وقت اپنی رعیت کے لیے کوئی افضل فعل اختیار کر لیتا ہے تو پھر اس فعل کے حکم دینے ہی کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اُس کا ضد نہ کیا جائے۔ اسی طرح عمر کا متعہ سے منع کرنا اپنے اختیار کر لینے کے طور پر تھا نہ کہ حرام کرنے کے طور پر کیونکہ عمر نے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ میں اس متعہ کو حرام کرتا ہوں بلکہ بعض علماء

کا یہ قول ہے کہ آپ نے تو فقط حج کو فسخ کرنے سے منع کیا تھا اور فسخ کرنا اکثر فقہا کے نزدیک اب بھی حرام ہے۔ اس کے علاوہ یہ مسئلہ اجتہادی مسائل میں سے ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اس فسخ کو حرام کہتے ہیں۔ ہاں نقاد حدیث میں سے امام احمد وغیرہ اس کو حرام نہیں کہتے بلکہ مستحب شمار کرتے ہیں۔ اور اُن میں سے بعض تو اُسے واجب تک کہتے ہیں اُن کا عمل اس مسئلہ میں فاروق اعظم کے قول پر نہیں ہے بلکہ علی عمران بن حصین، ابن عباس، ابن عمر وغیرہ صحابہ کے قول پر ہے۔ باقی رہا متعۃ النساء یعنی عورتوں سے متعہ کرنا سو اس میں تنازع ہے اور اُس کے حلال ہونے کی آیت میں کوئی صریح نص نہیں ہے کیونکہ اللہ پاک نے یہ فرمایا۔ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَاوَرَآءَ ذٰلِكُمْ اِنْ تَبْتَغُوْ بِاَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ ۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً. وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ.

یعنی عورتوں سے نکاح کرنا تمہارے لیے جائز کر دیا گیا بشرطیکہ اپنے مال کے بدلہ میں تم نکاح کرنا چاہو اور ہمیشہ کے لیے نکاح میں رکھنے کا ارادہ کرو نہ نفس پرستی کا پھر وہ عورتیں جن سے تم نے فائدہ (یعنی لطفِ صحبت) اُٹھایا ہو اُن کو اُن کے مہر جو مقرر ہو چکے ہیں پورے دے دو اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے اگر کچھ تبدیل کر لو تو اُس میں تم پر کچھ گناہ نہیں ہے بیشک اللہ دانا اور حکمت والا ہے اور تم میں سے جو شخص مالی حیثیت سے مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی قوت نہ رکھتا ہو۔ الخ۔ پس اللہ کا قول فما استمتعتم به منهن کے حکم میں وہی شخص آتا ہے جو اپنی زوجہ سے صحبت کر چکا ہو۔ باقی جس عورت سے ابھی صحبت نہ ہوئی ہو وہ نصف مہر سے زیادہ کی مستحق نہیں ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ فرمایا۔ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ. وَاَخَذْنَا مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا یعنی اور تم اُس کو کیسے لے سکتے ہو حالانکہ تم میں ایک دوسرے سے خلوت کر چکا ہے اور وہ تم سے مضبوط عہد لے چکی ہیں۔ یہاں اللہ نے خلوت مع نکاح کو مہر مقرر ہو جانے کا سبب قرار دیا ہے اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ بغیر ہمیشگی کے نکاح کے فقط نکاح موقت یعنی متعہ میں مہر دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ پورا مہر دینا ہمیشگی کے نکاح میں اولی ہے اب ضروری ہوا کہ یہ

آیت ہمیشگی کے نکاح پر دال ہو یا تو بطریق تخصیص اور یا بطریق عموم اسکی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد اللہ نے لونڈیوں کے نکاح کو بیان کیا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جو مذکور ہوا وہ مطلقاً آزاد عورتوں کے بارے میں تھا اور اگر کوئی یہ کہے کہ سلف کے ایک فریق کی قراءت میں یہ آیت اس طرح ہے۔ فما استمتعتم به منهن الى اجل مسمى . اسمیں متعہ کی بالکل تصریح ہے تو اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ قراءت متواترہ نہیں ہے۔ اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ قراءت مثل اخبار احاد کے ہو اور ہم اُس کا انکا نہیں کرتے کہ متعہ ابتداء اسلام میں حلال کر دیا گیا تھا۔ لیکن اب گفتگو اس میں ہے کہ قرآن شریف سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے یا نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ حرف نازل ہوئے بھی ہوں تو اس میں تو ذرا بھی شک نہیں ہے کہ یہ حرف قراءت مشہورہ سے ثابت نہیں ہوئے۔ لہذا منسوخ ہوں گے اور ان حرفوں کا حکم اُس وقت ہوگا کہ جب متعہ کرنا مباح تھا۔ جب وہ حرام ہو گیا تو یہ حرف بھی منسوخ ہو گئے یا اس مہر دینے کا حکم اُس وقت اس لیے ہوگا کہ مطلق نکاح میں مہر دینے پر تنبیہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس آیت میں یہ دو قراءت ہیں اور دونوں حق ہیں اور عورت سے ایک خاص مدت تک فائدہ اُٹھانے پر اُس کی اجرت دینے کا اس وقت حکم تھا کہ جب اس طرح فائدہ اُٹھانا درست تھا اور یہ ابتداء اسلام ہی میں تھا۔ لہذا اس آیت میں اس امر کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ عورت سے ایک معین مدت تک اب بھی فائدہ اُٹھانا درست ہے کیونکہ اللہ پاک نے یہ نہیں فرمایا کہ عورتوں سے ایک مدت معین تک فائدہ اٹھانا میں نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے بلکہ فقط یہ فرمایا ہے کہ بس وہ عورتیں جن سے تم نے لطف صحبت اُٹھایا ہو اُنہیں اُن کے مہر دے دو پس یہ حکم لطف صحبت اُٹھانے کی دوسری صورتوں کو شامل ہے برابر ہے حلال طریقہ پر ہو یا شبہتاً صحبت کر لی ہو یہی وجہ ہے کہ سنت اور اجماع دونوں سے نکاح فاسد میں بھی مہر واجب ہو جاتا ہے اور متعہ کرنے والا جب متعہ کے حلال ہونے کا عقیدہ کر کے اُس کو کر لے تو اُس کو ذمہ بھی مہر واجب ہے۔ لیکن وہ لطف صحبت جو حرام کر دیا گیا ہے اس آیت میں شامل نہیں ہے کیونکہ اگر کسی نے بغیر نکاح کئے باوجود عورت کی رضامندی کے اس سے لطف صحبت اُٹھالیا تو یہ زنا ہے اور اگر زبردستی سے کیا تو اُس میں اختلاف مشہور ہے باقی حضرت عمر کی طرف سے عورتوں کے ساتھ

متعہ کرنے کو منع کر دینا جو شیعی علماء نے ذکر کیا ہے سو اس کا ثبوت حضور انور ﷺ سے ہو چکا ہے اس طرح پر کہ عورتوں سے متعہ کرنے کو حلال کرنے کے بعد پھر حضور انور ﷺ نے حرام کر دیا تھا۔ صحیحین وغیرہ میں ثقہ ثقہ راویوں نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ مثلاً زہری نے محمد بن حنیفہ کے دونوں بیٹوں عبداللہ اور حسن سے اُنہوں نے اپنے باپ محمد بن حنفیہ سے انہوں نے علی بن ابی طالب سے نکل کیا ہے۔

جب ابن عباس نے اس متعہ کے مباح ہونے کا فتویٰ دیا تو آپ نے اُن سے یہ فرمایا کہ یہ تم نے کیا کیا تمہیں خبر نہیں ہے کہ خیبر کے سال رسول اللہ ﷺ نے اس متعہ کو اور خانگی گدھوں کے گوشت کو قطعی حرام کر دیا تھا۔ یہ روایت زہری نے نقل کی ہے جو اپنے زمانے کے بڑے عالم بالسنۃ اور حافظ مشہور ہیں اُنہوں نے اپنے زمانہ کے ائمہ اسلام مثلاً مالک بن انس سفیان بن عیینہ کو یہ روایت یاد کرا دی تھی جن کے عالم عادل حافظ ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور محدثین میں سے کسی نے بھی اُس میں اختلاف نہیں کیا کہ یہ حدیث صحیح اور قابل قبول ہے۔ اہل علم میں سے کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور اسی طرح صحیح میں ثابت ہے کہ حضور انور نے غزوۂ فتح میں قیامت تک کے لیے متعہ کو حرام کر دیا تھا حضرت علی کی حدیث کے راویوں میں باہم یہ اُختلاف ہے کہ آپ کا خیبر کے سال فرمانا فقط گدھوں کی حرمت بیان کرنے کے لیے ہے یا اُس کے اور تحریم متعہ دونوں کے لیے ہے پہلا قول ابن عیینہ وغیرہ کا ہے وہ یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ متعہ تو غزوۂ فتح ہونے میں حرام کیا گیا تھا اور دوسرے قول والے یہ کہتے ہیں کہ متعہ حرام ہو کر پھر جائز کر دیا گیا تھا۔ اور ایک تیسرے فرقہ کا یہ قول ہے کہ اِس کے بعد حجۃ الوادع میں پھر حرام کر دیا گیا تھا اور سب متواتر روایتیں اس پر متفق ہیں کہ متعہ حلال ہونے کے بعد حرام ہو چکا ہے اور ٹھیک یہی ہے کہ متعہ حرام ہونے کے بعد حلال نہیں ہوا یعنی جب فتح مکہ میں حرام کر دیا گیا تو اُس کے بعد حلال نہیں کیا گیا اور نہ خیبر کے سال حرام ہوا بلکہ خیبر کے سال تو فقط خانگی گدھوں کے گوشت حرام کیے گئے تھے ابن عباس اس متعہ کو اور اُن گدھوں کا گوشت کھانے کو مباح کہتے تھے۔ جس کا حضرت علی بن ابو طالب نے علی الاعلان انکار کر دیا تھا۔ اور اُن سے یہ کہا تھا کہ خیبر کے سال رسول اللہ نے عورتوں کے متعہ کو اور اُن گدھوں کے گوشت کو یقیناً حرام کر دیا تھا۔ علی نے ان دونوں کو یکجا کر کے اس لئے بیان کیا کہ ابن عباس دونوں کو مباح کہتے تھے۔ ورنہ علی کا بھی یہ مقصود نہ

تھا کہ یہ متعہ بھی خیبر ہی کے دن حرام کیا گیا ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ جب آپ نے ان دونوں کے منع ہونے کی حدیث سنی تو اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اب ان دونوں کو میں بھی مباح نہیں کہتا یہ بے شک حرام ہیں اہل سنت والجماعت تو عمر اور علی کا اور اُن کے سوا اور خلفاء راشدین کا اُن امور میں برابر اتباع کرتے ہیں۔ جنہیں وہ نبی ﷺ سے روایت کریں اور شیعہ علی کے ان امور میں فوراً مخالف ہو جاتے ہیں جنہیں وہ حضور انور ﷺ سے نقل کرتے ہوں اور پھر ایسے شخص کے قول کا اتباع کرتے ہیں جو علی کی مخالفت کرتا ہو اس کے علاوہ قرآن شریف میں اللہ پاک نے زوجہ اور لونڈی سے صحبت کرنا مباح کیا ہے اور جس عورت سے متعہ کیا جائے وہ ان دونوں قسموں میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ زوجہ ہوتی تو اپنے شوہر کے مرنے پر وارث بھی ہوتی اور وفات کی عدت بھی اُس پر واجب ہوتی اور تین طلاقیں بھی اس پر پڑتیں اس لیے کہ زوجہ کے یہ احکام اللہ کی کتاب میں مقرر ہو چکے ہیں پس جب اس عورت پر یہ لوازم نکاح نہیں ہیں تو یہی نکاح نہ ہونے کی پختہ دلیل ہے۔ کیونکہ لوازم کا نہ ہونا اُن کے ملزوم کے نہ ہونے کو متقضی ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں بیویوں اور منکوحہ لونڈیوں کو مباح کر دیا ہے اور اِس کے علاوہ اور صورتوں کو حرام کر دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ **وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ. اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ. فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ.** یعنی جو لوگ اپنی شرمگاہوں کو (حرام سے) بچانے والے ہیں مگر اپنی بیبیوں پر یا اپنی لونڈیوں پر تو بے شک ان لوگوں پر ملامت نہیں ہے پھر جو کوئی اُس کے سوا اور طریقہ سے اپنی شہوت پوری کرنا چاہے تو یہی لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں۔ متعہ والی عورت قرآن شریف کی رو سے زوجہ ہے نہ لونڈی ہے۔ لہذا وہ نص قرآن سے حرام ہوگئی۔ اُس کا لونڈی نہ ہونا تو صاف ظاہر ہے باقی زوجہ نہ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ اس میں لوازم نکاح نہیں ہیں کیونکہ لوازم نکاح میں یہ بھی ہے کہ نکاح وارث ہونے کا سبب ہو اس سے عدت وفات کا ثبوت ہو اور تین طلاقیں پڑتی ہوں اور صحبت ہونے سے پہلے طلاق دینے پر نصف مہر لازم آتا ہو اُن کے سوا اور بھی لاوازم ہیں اب اگر کوئی یہ کہے کہ بعض اوقات زوجہ بھی وارث نہیں ہوتی مثلاً ذمیہ اور لونڈی کہ ان دونوں کو زوجہ ہونے کی صورت میں وراثت نہیں ملتی تو اُس کا جواب یہ ہے کہ

اہل سنت کے نزدیک ذمیہ نکاح ہی ہونا جائز نہیں ہے اور لونڈی سے نکاح کرنا ضرورت کے وقت جائز ہے شیعہ علماء متعہ کو مطلقاً مباح کہتے ہیں لہٰذا اِس میں اور اُن دونوں صورتوں کے درمیان بین فرق ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ ذمیہ اور لونڈی سے نکاح کرنا وراثت کا سبب بیشک ہے لیکن اس وراثت میں ایک مانع آ گیا ہے. یعنی لونڈی ہونا اور کافر ہونا جیسا کہ نسب وراثت کا سبب ہے. لیکن جب لڑکا غلام یا کافر ہو تو وہ وراث نہیں ہوتا کیونکہ یہاں ایک مانع موجود ہے. اسی وجہ سے جب کسی نے اپنے ایسے لڑکے کو آزاد کر دیا یا وہ مسلمان ہو گیا تو وہ اپنے باپ کا وارث ہو گا اور یہی حکم زوجہ کا ہے کہ جب وہ اپنے شوہر کی زندگی میں مسلمان ہو گئی تو اُس کی وراث ہو گی. اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے. اسی طرح جب کسی نے اپنی منکوحہ لونڈی کو آزاد کر دیا اور وہ اسی نکاح پر رہنے پر رضا مند ہو گئی تو باتفاق تمام مسلمانوں کے وہ اپنے اس شوہر کی وارث ہو گی بخلاف متعہ والی عورت کے کیونکہ اُس کا نکاح کبھی وراثت کا سبب نہیں ہوتا اس لیے اس سے کسی وقت بھی توارث ثابت نہیں ہوتا یہ نکاح مثل اس ولد الزنا کے ہو جاتا ہے جو شوہر کے ہاں پیدا ہوا ہو کیونکہ یہ لڑکا زانی کو کبھی نہیں دیا جاتا اور نہ یہ اسکا بیٹا کہلاتا ہے جس سے ورثہ کا مستحق ہو جائے اور اگر کوئی یہ کہے کہ بعض اوقات نسب کے احکام مختلف ہو جاتے ہیں پس اسی طرح نکاح بھی ہے. اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کو جمہور بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن اس میں شیعوں کی کوئی حجت نہیں ہے. اس لئے کہ متعہ والی عورت میں زوجہ کے تمام احکام کی نفی ہی نفی ہے حلال نکاح کے خاص خاص احکام میں سے اس میں کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ ایسی عورت زوجہ نہیں ہوتی. باقی یہ چند احکام کہ نسب ثابت ہو جانا استبراء واجب ہونا حدود کا لازم نہ ہونا مہر واجب ہونا وغیرہ وغیرہ ایسی عورت میں ثابت ہو جاتے ہیں اُن سے وہ زوجہ کے حکم میں نہیں ہو سکتی. کیونکہ یہ تو نکاح شبہ میں بھی ثابت ہو جاتے ہیں. اب یہ بات ثابت ہو گئی کہ متعہ والی عورت سے مقاربت کرنا مثل زوجہ سے وطی کرنے کے نہیں ہے۔

فاطمہؓ کی وراثت: یہ بحث بہت ہی ضروری ہے اور دلکش ہے. عام طور پر شیعوں کے ورد زبان بھی رہتا ہے کہ ابو بکر نے فاطمہ کو اُن کے باپ کے ورثہ سے محروم کر دیا تھا. اگرچہ اس کی مختصر بحث پہلے کہیں آ چکی ہے. لیکن یہاں ہم اس مشہور مسئلہ پر ذرا وضاحت سے بحث کرنا چاہتے ہیں. امید

ہے کہ سنی تو سنی شیعہ اصحاب بھی بہت خوش ہوں گے اور یقیناً اُن کا اطمینان ہو جائے گا اور اگر وہ کچھ بھی انصاف پسند ہوں گے تو کبھی یہ زبان پر نہیں لائیں گے کہ ابوبکر نے فاطمہ کا ورثہ غصب کر لیا۔
چنانچہ ملاحظہ ہو شیعی علماء کے اعتراضات کا لب لباب جب ابوبکر نے فاطمہؓ کو اُن کے باپ کا ورثہ نہیں دیا تو اُنہوں نے علی الاعلان یہ کہا اے ابن قحافہ تو تو اپنے باپ کا وارث ہو اور میں اپنے باپ کی وارث نہ ہوں۔ اس کے جواب میں ایک ایسی روایت کو آڑ بنا لیا جس کے اسکے سوا اور کسی نے نقل نہیں کیا یقیناً فاطمہ کا قرض دار ابوبکر ہی تھا کیونکہ اس نے اپنے لیے صدقہ حلال کر لیا تھا اور وہ روایت یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ نحن معاشر الا نبیاء لا نورث ما تر کناہ صدقۃ اسے سنیوں نے ابوبکر سے اسی طرح نقل کیا ہے مگر قرآن اسکے مخالف حکم دیتا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۔ یہ حکم اللہ نے خاص امت ہی کے لیے نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس سے علیحدہ کر دیا جائے۔ بلکہ یہ حکم عام ہے خواہ کوئی ہو پھر تماشاہ دیکھئے کہ سنیوں نے اس روایت کی بھی تکذیب کر دی۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ۔ اسی طرح زکریا کی طرف سے فرمایا وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۔ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ یعنی بے شک میں اپنے عزیزوں سے اپنے بعد خوف کرتا ہوں اور میری بی بی بانجھ ہے تو اپنے پاس سے مجھے ایک وارث عنایت فرما جو میرا وارث ہو اور اولاد یعقوب سے بھی میراث لے۔

پہلا جواب: فاطمہ کا جو یہ قول ذکر کیا ہے کہ تو تو اپنے باپ کا وارث بنے اور میں وارث نہ ہوں۔ فاطمہ سے اِس کے ثبوت کی صحت ہمیں کہیں نہیں معلوم ہوتی ہم نے بہتیرا چھان ڈالا ہمیں کہیں بھی یہ پتہ نہیں لگا کہ فی الواقع حضرت فاطمہ ہی نے ایسا فرمایا ہے۔ اور اگر یہ صحیح بھی ہو تو اس میں کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ اُن کے باپ کو کسی آدمی پر بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا اور نہ ابوبکر فاطمہ کے باپ کی طرح سارے مسلمانوں سے اولےٰ تھے نہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن پر اللہ نے نفلی اور فرضی صدقہ حرام کر دیا ہو جیسے فاطمہ کے باپ تھے نہ وہ اُن میں سے تھے جن کی محبت کو اللہ نے مال اولاد کی محبت پر مقدم کر دیا ہو حالانکہ فاطمہ کے باپ ہی کو خاص یہ فضیلت حاصل تھی۔ انبیاء اور غیر انبیاء میں یہ بین

فرق ہے کہ انبیاء کو اللہ پاک نے دنیا کا ورثہ دینے سے محفوظ رکھا ہے تا کہ یہ ایسے لوگوں کے لیے باعث شبہ نہ ہو جائے۔ جو اُن کی نبوت میں نکتے چینیاں کیا کرتے تھے اس طرح کہ وہ یہ کہیں کہ ان انبیاء نے دنیا کمائی ہے اور اپنے وارثوں کو اُس کا وارث کر دیا ہے۔ لیکن ابو بکر اور اُن کے امثال کے لیے نبوت نہیں ہے تا کہ اُن میں بھی کوئی اس قسم کے شبہے کر کے یہ باتیں کہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کو لکھنے اور شعر کہنے سے محفوظ رکھا تھا تا کہ آپ کی نبوت شبہ سے محفوظ ہو جائے۔ اگرچہ اور انبیاء میں اس خاص حفاظت کی ضرورت نہیں ہوئی۔

دوسرا جواب: شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اس بارے میں ابو بکر نے ایک ایسی حدیث کو آڑ بنا لیا تھا جس کو اس کے سوا اور کسی نے روایت نہیں کیا۔ یہ بالکل جھوٹ اور آپ پر سراسر بہتان ہے کیونکہ حضور انور کے اس ارشاد کو کہ لانورث ماترکناہ فھو صدقۃ ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، عباس بن عبدالمطلب حضور انور ﷺ کی ازواج مطہرات، ابو ہریرہ نے نقل کیا ہے اِن سے یہ روایت صحاح میں ثابت اور مسانید میں مشہور ہے تمام محدثین اسے جانتے ہیں۔ اب ہمارے احباب کا یہ کہنا کہ اسے ابو بکر کے سوا اور کسی نے روایت نہیں کیا اُن کی اعلیٰ درجہ کی واقفیت اور تبحر علمی دلالت کرتا ہے۔

تیسرا جواب: اُن کا یہ کہنا کہ فاطمہ کا قرض دار ابو بکر ہی تھا۔ یہ بھی سفید جھوٹ ہے کیونکہ صدیق نے یہ مال نہ خود لیا نہ اپنے گھر والوں کو دیا بلکہ وہ صدقہ تھا اُن لوگوں کے لیے جو صدقہ کے مستحق تھے خواہ وہ کوئی ہوں اس کی مثال ایسی ہے کہ مسجد میں سب مسلمانوں کا حق ہے اور اگر کوئی عادل سچا آدمی کسی کے واسطے یہ گواہی دے کہ اُس نے اپنے گھر کو مسجد کر دینے یا اپنے کنوئیں کو عام سبیل کر دینے یا اپنی زمین کو قبرستان وغیرہ کر دینے کی وصیت کی ہے تو باتفاق تمام مسلمانوں کے اُس کی یہ گواہی جائز اور مقبول ہوگی۔ اگرچہ یہ اُن لوگوں میں سے ہو جنہیں اس مسجد میں نماز پڑھنا اور اُس کنوئیں سے پانی پینا اور اس قبرستان میں دفن ہونا جائز ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکی گواہی تو عام فائدے کے لئے ہے۔ اس میں کسی کی کچھ خصوصیت نہیں ہے عام حکم کی وجہ سے یہ گواہ بھی اُس میں داخل ہے نہ کہ اس وجہ سے کہ اُس نے ان چیزوں کو اپنے لیے خاص کر لیا ہے ایسا آدمی مدعا علیہ نہیں ہوا کرتا کہ اسی طرح اگر کوئی

مسلمان یہ گواہی دے کہ فلاں کے ذمہ بیت المال کا روپیہ ہے یا یہ گواہی دے کہ اس مال کا وارث بیت المال کے سوا اور کوئی نہیں ہے یا ذمی پر کوئی ایسی گواہی دے جو اُس کے عہد شکنی کرنے اور اُسکا مال بیت المال کے لیے فے ہونے کو ثابت کرے تو اُن کی گواہی مقبول ہو گی یا اگر کوئی عادل آدمی اس امر کی گواہی دے کہ فلاں شخص نے اپنا مال فقراء۔اور مساکین کیلئے وقف کر دیا تھا تو اُس کی گواہی مقبول ہو گی. اگر چہ یہ گواہ خود بھی فقیر ہو اور اُس مال کا مستحق ہو.

چوتھا جواب: یہ عجیب لطف کی بات ہے کہ صدیق اس صدقہ کے لینے والوں میں نہ تھے بلکہ وہ اس سے بالکل مستغنی تھے نہ اُنہوں نے کبھی اس سے کوئی فائدہ اُٹھایا اور نہ یہ صدقہ آپ کے گھر والوں نے کبھی لیا اس کی صورت بعینہ ایسی ہے کہ اگر چند دولتمندوں نے ایک آدمی پر یہ گواہی دی کہ اُس نے فقراء کے لیے صدقہ کرنے کی وصیت کی ہے تو اُن کی یہ گواہی باتفاق مقبول ہے.

پانچواں جواب: اگر اس حدیث میں کوئی ایسا امر بھی ہو جسکا نفع اُس کے راوی کو جو صحابہ میں سے ہے پہنچتا ہو تب بھی اُس راوی کی گواہی مقبول ہو گی. اس لئے کہ یہ اس حدیث کے روایت کرنے میں داخل ہے اور یہ روایت کرنا ایک عام حکم کو شامل ہوتا ہے جس میں یہ راوی وغیرہ سب داخل ہیں کیونکہ حضور انور ﷺ نے جو حکم دیا ہے اُس میں یہ راوی وغیرہ سب برابر ہیں. اسی طرح جس چیز سے آپ نے منع کیا ہو یا مباح فرمایا ہو اُس میں بھی یہ راوی وغیرہ برابر ہیں. اس حدیث میں ایک شرعی حکم کا روایت کرنا پایا جاتا ہے جسکی وجہ سے خود ابو بکر کی بیٹی عائشہ صدیقہ بھی اس میراث سے محروم رہیں اُن کے سوا اور وارثوں کو بھی یہ میراث نہیں پہنچی بلکہ اس بات کا فیصلہ کر دیا گیا کہ یہ مال مصارف صدقہ میں صرف کرنا چاہیے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا.

چھٹا جواب: شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنیوں نے جو یہ حدیث روایت کی ہے قرآن مجید اس کی صریح مخالفت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالی نے یہ فرمایا ہے يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ .. یہ حکم اللہ نے امت ہی کے لیے خاص نہیں کر دیا ہے بلکہ اس میں رسول اللہ ﷺ بھی شامل ہیں.

پہلا جواب: یہ ہے کہ اس آیت کے عام لفظوں میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جس کے یہ معنی ہوں

کہ حضور انور کا مورث ہونا یعنی آپ کا مال ترکہ ہونا ضروری ہے کیونکہ اللہ پاک نے تو یہ فرمایا ہے۔

یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۔ فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَھُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ وَاِنْ کَانَتْ وَاحِدَۃً فَلَھَا النِّصْفُ وَلِاَبَوَیْهِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنْ کَانَ لَهٗ وَلَدٌ۔ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ۔ فَاِنْ کَانَ لَهٗٓ اِخْوَۃٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ۔ الخ (النساء۔۱۱) یعنی اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر (میت کی اولاد ہی) لڑکیاں ہوں دو سے زیادہ تو اُن کے لیے مال متروکہ کی دو تہائی ہے اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے نصف ہے اور میت کے والدین یعنی ان میں سے ہر ایک کے لیے اگر میت کی کوئی اولاد نہ ہو تو مال متروکہ میں سے چھٹا حصہ ہے اور اگر میت کے کوئی اولاد نہیں ہے اور اس کے وارث اس کے والدین ہیں تو اسکی ماں کے لیے ایک تہائی ہے اور اگر میت کے کئی بھائی ہیں تو اس کی ماں کیلئے چھٹا حصہ۔ پھر دوسری آیت میں فرمایا وَلَکُمْ نِصْفُ مَا تَرَکَ اَزْوَاجُکُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ کَانَ لَھُنَّ وَلَدٌ فَلَکُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ یُّوْصِیْنَ بِھَآ اَوْ دَیْنٍ (النساء۔ ۱۲) یعنی اور تمہیں اس مال کا نصف ملے گا۔ جو تمہاری بی بیاں چھوڑ مریں بشرطیکہ ان کے کوئی اولاد نہ ہو اور اگر ان کے اولاد ہو تو تمہیں ان کے متروکہ (مال) میں سے چوتھائی کا استحقاق ہے یہ خطاب صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو اس خطاب سے مقصود ہیں۔ ہاں اس میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو اس بات کو ثابت کرے کہ حضور انور ﷺ بھی اس کے مخاطب ہیں۔ خطاب کا کاف اسی کو شامل ہوتا ہے جس کا خطاب کرنے والے نے قصد کر لیا اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ اس خطاب سے مخصوص یہ خاص شخص ہے تو اسے وہ لفظ شامل نہیں ہوتے یہاں تک کہ ایک فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ ضمیریں مطلقاً تخصیص قبول نہیں کرتیں تو اب خاطب کی ضمیر میں یہ تخصیص کیونکر ہو سکتی ہے کیونکہ وہ تو اسی پر دال ہیں جس کا خطاب کرنے میں قصد کر لیا ہو نہ کہ اس پر جس کا قصد نہ کیا ہو۔ اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ ضمیر عام ہے اس میں تخصیص نہیں ہو سکتی پھر بھی یہ ان ہی کے لئے عام ہو گی جو خطاب میں مقصود ہوں گے دیکھو اس آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس بات کا مقتضی ہو

کہ اس آیت کے مخاطبوں میں حضور انور بھی ہیں، اور اگر کوئی یہ کہے ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ضمیریں خواہ وہ خطاب کی ہوں یا متکلم کی ہوں یا غیبت کی ہوں خود بخود کسی معین چیز پر دلالت نہیں کیا کرتیں مگر ہاں ان میں قرائن کے موافق دلالت معین پر بھی ہو جاتی ہے مثلاً خطاب کی ضمیریں اس شخص کے لئے مقرر کی گئی ہیں جس کا خطاب کرنے والے نے اس خطاب سے قصد کر لیا ہو اسی طرح متکلم کی ضمیریں اس کے لئے ہیں جو کلام کرے خواہ وہ کبھی ہو لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن شریف کے مخاطب حضور انور ﷺ اور مومنین سب ہی ہیں جیسا کہ اللہ فرماتا ہے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور فرمایا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ اسی طرح اللہ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل بات یہ نہیں ہے بلکہ قرآن شریف میں جماعت کا خطاب یعنی جہاں کم سے خطاب کیا گیا ہے کبھی حضور انور اور مومنین سب کے لئے ہوتا ہے اور کبھی فقط مومنین ہی کے لیے مخصوص ہوتا ہے جیسا کہ اللہ کا یہ قول ہے۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ یہاں کاف سے خطاب امت ہی کو ہے حضور انور ﷺ کو نہیں ہے پھر ایسا ہی اللہ کا یہ قول ہے وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ دوسرا قول اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۔ اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں ان موقعوں میں کاف کے خطاب میں رسول اللہ داخل نہیں ہیں بلکہ یہ ان ہی کے لئے ہے جن کی طرف حضور انور پیغمبر بنا کے بھیجے گئے تھے۔ تو اب یہ بات کیوں نہیں جائز ہے کہ اللہ کے ارشاد يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ کا کاف بھی مثل ان ہی کے قول کے ہو اس لئے کہ سنت یعنی حدیث میں ایسا کوئی امر نہیں ہوتا کہ جو ظاہر قرآن کے خلاف ہو پھر مثل اسی آیت کے اللہ کی یہ ارشاد بھی ہے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۔ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا ۔ پس اس آیت میں خفتم، تقسطوا، وانکحوا، طاب، لکم، ماملکت ایمانکم کی ضمیریں اس امت ہی کی طرف پھرتی ہیں، حضور انور کا ان سے کچھ تعلق نہیں ہے کیونکہ حضور انور کے لئے تو چار سے زیادہ بیبیاں کرنی بھی جائز تھیں اور آپ بلا مہر بھی نکاح کر سکتے تھے جیسا کہ نص سے اور اجماع سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ جتنی مثالیں تم نے ذکر کی ہیں ان میں تو اس آیت کا امت ہی کے لئے مخصوص ہونے کا قرینہ موجود ہے۔ لہٰذا ان سے تمہارا مدعا ثابت نہیں ہو سکتا کہ جب اللہ نے رسول کی اطاعت واجب ہونے کو ذکر کیا اور آپ کی اطاعت کرنے اور آپ سے محبت رکھنے کا امت کو خطاب کیا اور حضور انور کا ان کی طرف مبعوث ہونا بیان کیا تو اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ خود حضور انور ﷺ اس میں داخل نہیں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں بس ایسی ہی یہ آیت فرائض یعنی یوصیکم اللہ ہے کہ اس میں بھی امت کے لئے مخصوص ہونے کا قرینہ موجود ہے کیونکہ فرمایا اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً اور فرمایا مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ پھر فرمایا تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۔ پس جب اللہ نے اس سمجھ کے نہ ہونے کے ساتھ خطاب کیا جو رسول کے حال کے کسی طرح مناسب نہیں ہے اور اس کے بعد یہ ذکر کیا کہ رسول اللہ کی طاعت کرنی لوگوں پر واجب ہے ان میں جو فرائض کی مقداریں بیان کیں ہیں اور پھر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اگر یہ لوگ ان حدود میں اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت کریں گے تو ثواب کے مستحق ہوں گے اور اگر مخالفت کریں گے تو عذاب کے سزاوار ہوں گے مخالفت کی صورت یہ ہے کہ ایک وارث کو اس کے حق سے زیادہ دے دیں یا کسی وارث کو اس کا حق نہ دیں تو اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی کہ اس آیت میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو باری تعالیٰ کے اس حکم سے واقف نہیں ہیں حضور انور ﷺ داخل نہیں ہیں جیسا کہ اس قسم کی اور آیتوں کا حال ہے اور جب سیاق کلام سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ خطاب امت ہی کو ہے تو آپ اس آیت کے عموم میں بھی داخل نہ ہوئے اور اگر کوئی یہ کہے کہ خطاب تو حضور انور کو بھی شامل تھا لیکن نکاح اور مہر کی آیت سے آپ مخصوص ہو گئے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بس اسی طرح میراث کی آیت سے بھی آپ مخصوص

ہو گئے ہیں۔ بس جو اور آیتوں میں تمہارا جواب ہے وہی میراث کی آیت میں ہمارا جواب ہے خواہ کوئی یہ کہے کہ آیت کے لفظ حضور انور کو شامل تھے اور آپ مخصوص ہو گئے یا یہ کہے کہ وہ لفظ ہی آپ کو شامل نہ تھے کیونکہ آپ اس کے مخاطبین میں سے نہیں ہیں۔

ساتواں جواب: یہ کہ اس آیت سے یہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ کون وارث ہوتا ہے اور کون وارث نہیں ہوتا اور نہ مورث اور وارث کی صفت بیان کرنی ہے بلکہ اس سے تو فقط یہ مقصود ہے کہ متروکہ مال وارثوں میں اس تفصیل سے تقسیم کیا جائے یعنی یہاں ان لوگوں کے حصوں کی مقدار بیان کرنی منظور ہے جو اس آیت میں مذکور ہے کہ جب یہ وارث ہوں تو انہیں کتنا کتنا حصہ پہنچے گا اور اسی وجہ سے اگر میت مسلمان ہو اور یہ لوگ کافر ہوں تو باتفاق سب مسلمانوں کے یہ وارث نہ ہوں گے اسی طرح اگر میت کافر ہو اور یہ مسلمان ہوں تو بھی وارث نہ ہوں گے علیٰ ہذا القیاس اگر میت غلام ہو اور یہ آزاد ہوں یا وہ آزاد ہو اور یہ غلام ہوں عام مسلمانوں کے لئے یہی حکم اس قاتل کا ہے جو اپنے مورث کو عمداً قتل کر دے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ مردوں میں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی اولاد وارث ہو جاتی ہے اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کی اولاد وارث نہیں ہوتی اس آیت نے اس کی کچھ تفصیل نہیں کی کہ کون وارث ہوتا ہے اور کون وراث نہیں ہوتا نہ وارث اور مورث کی کوئی تعریف بیان کی اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے اسکا بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس سے فقط ان لوگوں کے حقوق بیان کرنے مطلوب ہیں اس وقت کہ جب یہ وارث ہوں پس جب اس سے یہ ظاہر نہ ہوا کہ کون کون وارث ہوتے ہیں اور کس کس کے وارث ہوتے ہیں تو اس سے یہ بھی نہ ثابت ہوا کہ اور تو وارث ہوتے ہیں اور حضور انور وارث نہیں ہوتے اور اب اس میں اس کا ثبوت بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا کہ حضور نور کا وارث ہونا چاہیے اسی طرح حضور انور کے اس ارشاد میں ہے فرمایا۔ فیما سقت السماو العشر وفیما سقی بالدوالی ولنوا ضح نصف العشر یعنی بارانی زمین میں (زکوٰۃ کا) دسواں حصہ ہوتا ہے اور جس میں چرسوں سے آب پاشی کی جائے اس میں بیسواں حصہ ہوتا ہے اس سے حضور کو یہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ ان دونوں زمینوں میں سے ایک میں کیا واجب ہے اور کیا واجب نہیں ہے۔ بلکہ اس سے ان دونوں قسموں میں فرق بیان کر دینا مراد ہے کہ ایک یہی وجہ

ہے کہ باوجود اس کے عام ہونے کے سبزیوں یعنی ترکاریوں میں زکوۃ واجب ایسی ہوتی ہے جس میں دسواں حصہ ہوتا ہے اور ایک ایسی ہوتی ہے کہ اس میں بیسواں حصہ ہوتا ہے۔ ہونے پر اس سے حجت نہیں لائی جاتی علیٰ ہذا القیاس اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ یعنی اللہ نے بیع کو حلال کر دیا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے اس سے فقط بیع اور سود میں فرق بیان کرنا مقصود ہے۔ کہ ایک حلال ہے اور دوسرا حرام ہے اور یہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ کس چیز کی بیع جائز ہے اور کس چیز کی ناجائز ہے اسی وجہ سے ہر چیز کی بیع جائز ہونے پر اس آیت کے عموم سے حجت نہیں لا سکتے۔ اور اگر کوئی یہ کہنے لگے کہ اللہ کا واحل اللہ فرمانا عام ہے اور مردار۔ سور۔ شراب۔ کتے۔ ام ولد۔ وقف اور دوسری چیزوں کی بیع جائز ہوتی بھی اس میں داخل ہے تو یہ کہنے والا سب کے نزدیک غلطی پر ہے۔

آٹھواں جواب: ہم نے مانا کہ اس آیت کے لفظ عام ہیں۔ اور کافر اولاد اور غلام اور قاتل اس سے ایسی دلیلوں کے باعث مخصوص کر لئے گئے ہیں جو اس دلیل سے بہت ہی کمزور ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور انور بھی اس آیت کے حکم میں نہیں ہیں کیونکہ وہ صحابہ کرام جنہوں نے حضور انور سے یہ روایت کی ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اور نہ قاتل مقتولوں کا وارث ہوتا ہے اور نہ غلام اپنے آقا باپ کا تو یہ ان سے بہت کم درجہ کے ہیں جنہوں نے حضور سے یہ روایت کی ہے کہ نحن معاشر الانبیاء لا نورث. ہم انبیاء ہیں ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب اس آیت میں تخصیص ہو گئی خواہ نص سے ہوئی یا اجماع سے اب دوسری نص سے تخصیص کر لینی باتفاق تمام علماء مسلمین کے جائز ہے پھر ایک گروہ کا یہ مذہب ہے کہ عام میں ایک دفعہ تخصیص ہونے کے بعد پھر وہ مجمل رہ جاتا ہے اور عموم قرآن کی خبر واحد سے تخصیص کرنے میں اس وقت بے شک اختلاف ہے۔ کہ جب پہلے اس میں تخصیص نہ ہو چکی ہو باقی رہا عام مخصوص اسکی خبر واحد سے تخصیص کر لینی تو عوام کے نزدیک بھی جائز ہے خاص کر ایسی حدیث سے جو قبول کرنے کے لائق اور تسلیم کرنے کے قابل ہو کیونکہ ایسی حدیث سے عموم قرآن کی تخصیص کر لینے پر سب متفق ہیں۔ اور اس پر عمل ہونے پر سب کا اجماع ہو چکا ہے جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم عنقریب بیان کریں گے ساتھ ہی متواتر نص اور اجماع اور تخصیص کر لینے پر سب کا اتفاق ہے جس نے یہ مسلک اختیار کیا ہے وہ کہتا ہے کہ ظاہر اس آیت کا ہے

شک عموم ہے لیکن یہ عموم مخصوص ہے اور جس نے پہلا مسلک اختیار کیا ہے اس نے اسکے ظاہر عموم کو تسلیم نہیں کیا ہاں ان لوگوں میں جن کی بابت یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ وارث ہوتے ہیں اور یہ کوئی نہیں کہتا کہ اس آیت کا ظاہر متروک ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مقصود فقط وارث کا حصہ بیان کرنا ہے نہ کہ اس حالت کا بیان کرنا جس میں وراثت ثابت ہو جاتی ہے۔ باقی وراثت کی شرائط سے اس آیت کو کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس میں مطلق ہے نہ اسپر نفی سے دلالت کرتی ہے اور نہ اثبات سے۔

نواں جواب: یہ کہا جائے کہ حضور انور کا مورث نہ ہونا یقینی حدیث اور صحابہ کرام کے اجماع سے ثابت ہو چکا ہے اور ان دونوں میں ہر ایک قطعی دلیل ہے لہٰذا اس ظن اور خیال سے اس کا معارضہ نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ عام ہے اسلئے کہ اگر عام ہے تو وہ بھی مخصوص ہے اور عام مخصوص اگر دلیل ہو تو وہ ظنی ہی دلیل ہوا کرتا ہے وہ قطعی دلیل کا معارضہ نہیں کر سکتا کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ ظنی قطعی کے معارض ہوا کرتی ہے۔ اور اسکے قطعی ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ اس حدیث کو ایک نے نہیں بلکہ بہت سے صحابہ نے مختلف اوقات مختلف مجالس میں بار بار روایت کیا اور ان میں سے کسی نے بھی اسکا انکار یا اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ سب نے اسکی تصدیق کی اور خوشی سے قبول کر لی اسی وجہ سے ازواج مطہرات میں سے کسی نے میراث طلب کرنے پر اصرار نہیں کیا اور نہ اسپر حضور انور کے چچا نے اصرار کیا بلکہ اگر کسی نے کچھ مانگا اور اسے حضور کا یہ ارشاد سنایا گیا تو اس نے اسی وقت اپنے مانگنے سے رجوع کر لیا خلفاء راشدین کے زمانہ میں حضرت علی تک برابر اسی طرح ہوتا رہا پھر حضرت علی نے بھی اس میں کچھ فرق نہیں کیا اور نہ ترکہ تقسیم کیا۔

دسواں جواب: یہ کہا جائے کہ ابو بکر اور عمر نے علی اور ان کی اولاد کو اس قدر مال دیا تھا کہ جو حضور انور کے متروکہ مال سے کئی گنا زیادہ تھا اور وہ مال جو حضور نے چھوڑا تھا اس میں کی کسی چیز سے ان دونوں میں سے ایک نے بھی کچھ فائدہ نہیں اٹھایا تھا بلکہ عمر نے وہ بھی علی اور عباس کے سپرد کر دیا تھا وہی دونوں اسکے متولی تھے اور دونوں ہی اس میں وہ کام کرتے تھے جو اُن سے پہلے حضور انور کرتے تھے۔

گیارہواں جواب: اللہ کا یہ ارشاد کہ وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاؤدَ اور حضرت زکریا کے قصہ میں یہ ارشاد فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ. محل نزاع پر دلالت نہیں کرتا

کیونکہ ارث کا لفظ ایک جنس ہے جس کے تحت میں بہت سے افراد ہیں مشترک دلیل ایک خاص مدعا کے لئے دلیل نہیں ہوا کرتی مثلاً جب کسی نے کہا کہ یہ حیوان ہے تو یہ حیوان کہنا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ حیوان انسان ہی ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ گھوڑا یا گدھا وغیرہ ہو کیونکہ (ارث کی طرح) حیوان ایک جنس ہے جسکے یہ متعدد افراد ہیں۔ اسی طرح ارث کا لفظ علم نبوت، ملک وغیرہ بہت سی منتقلہ چیزوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا اور فرمایا۔ اُولٰئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اور فرمایا۔ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. اور فرمایا۔ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا اور اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ. اور فرمایا۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درهما وانما ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر۔ یعنی انبیاء کا ورثہ اشرفیاں اور روپے نہیں ہوتے بلکہ ان کا ورثہ علم ہوتا ہے پس جس نے علم حاصل کر لیا اسے بڑا پورا حصہ ملے گا۔ یہ حدیث ابوداؤد وغیرہ نے روایت کی ہے یہی خلافت کا حال ہے کبھی خلافت ملک میں ہوتی ہے کبھی علم میں کبھی اور چیزوں میں اور جب یہ معلوم ہو گیا تو اب ثابت ہو گیا کہ اللہ کا قول وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ اور يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ فقط جنس ارث پر دلالت کرتے ہیں مال کی ارث پر کسی طرح دلالت نہیں کرتے اب ان آیتوں کو ارث مال کی خصوصیت پر شیعی علماء کا دلیل ٹھہرانا محض ان کی لاعلمی کا باعث ہے۔ مثلاً اگر کسی نے یہ کہا کہ یہ آدمی فلاں شخص کا خلیفہ اس نے اسے خلیفہ کر دیا ہے تو یہ مطلق خلافت پر دال ہوگا باقی اس شخص کے مال و دولت یا ملک وغیرہ میں اُسکے خلیفہ ہونے کی کوئی دلیل نہ ہوگی۔

بارہواں جواب: یہ کہا جائے کہ اس ورثہ سے مراد علم اور نبوت وغیرہ کا ورثہ ہے نہ کہ مال کا کیونکہ اللہ نے فقط یہ فرمایا ہے۔ کہ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ اور یہ معلوم ہے کہ حضرت داؤد کے سلیمان کے سوا اور بھی اولاد بہت تھی تو مال کے ورثہ میں سلیمان کی خصوصیت نہیں ہو سکتی۔ اسکے علاوہ مال کے وارث ہونے میں قابل تعریف کوئی بات نہیں ہے نہ اس سے داؤد کی تعریف نکلتی ہے اور نہ

آپ کے صاحبزادے سلیمان کی۔ کیونکہ مال میں تو یہودی اور نصرانی بھی اپنے اپنے باپ کے وارث ہوتے ہیں اور یہ آیت سلیمان کی تعریف کے موقع پر لائی گئی ہے۔ جس سے فقط اس نعمت کا اظہار مقصود ہے جو اللہ نے خاص ان ہی کو عطا کی تھی دوسرے یہ کہ مال کا وارث ہونا تو امور عادیہ میں سے ہے جو سب آدمیوں میں مشترک ہے جیسے کھانا پینا مردہ کو دفن کرنا ایسی باتیں انبیاء کے قصوں میں بیان نہیں کی جاتیں بلکہ ان کے قصوں میں وہ باتیں بیان ہوتی ہیں جن میں عبرت ہو اور دوسروں کا کچھ فائدہ ہو ورنہ کسی کا یہ کہنا فلانا مر گیا اور اسکا بیٹا اسکے مال کا وارث ہو گیا یہ ایک فضول اور بے معنی سی بات ہے قاعدہ کے مطابق بیٹا ہی اپنے باپ کے مال کا وارث ہوتا ہے اسے دوہرانا اول درجہ لغو اور بے سود ہے یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے تم نے سنا مردے کو تو قبر میں دفن کر دیا سننے والا ایسے شخص کو نادان سمجھے گا اسی طرح یہ باتیں کہ کھاؤ پیو سو وغیرہ ایسی ہیں کہ انہیں قرآن شریف کے قصص میں گردانا کبھی ٹھیک نہیں ہے علی ہذا القیاس زکریا کی طرف سے اللہ کا یہ فرمانا کہ یرثنی و یرث من آل یعقوب اس سے مال کی وراثت مراد نہیں ہے کیونکہ یعقوب کی اولاد کے مال میں سے وہ کسی چیز کے بھی وارث نہیں ہو سکتے بلکہ اگر ان کے وارث ہوئے بھی ہوں تو اُنہی کی اولاد اور باقی ورثہ وارث ہوئے ہوں گے دوسرے یہ کہ اس لئے بیٹا نہیں مانگا کرتے کہ وہ ان کے مال کا وارث ہو کیونکہ اگر ان کے پاس مال ہے تو اسکا منتقل ہونا ضروری ہے۔ خواہ بیٹے کے پاس جائے یا اور کسی کے پاس۔ پس اگر اس نبی کا بیٹا مانگنے سے یہ مقصود ہے کہ وہ اسکے مال کا وارث ہو تو اسکا یہ مطلب ہوگا کہ میرے مال کا میرے بیٹے کے سوا اور کوئی وارث نہ ہو اور یہ قصد تو کسی بڑے سے بڑے بخیل کا بھی نہیں ہوتا کیونکہ اگر اسکا بیٹا ہے اور وہ اسکے سوا اور کسی کو دینا نہیں چاہتا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر اس کا بیٹا نہیں ہے اور پھر اسکا بیٹا مانگنے سے مقصود یہی ہے کہ اور کوئی اسکا مال نہ لے تو یہ قصد کرنا نہایت ہی برا ہے ایسا قصد تو بے وقوف سے بے وقوف اور بد دین بھی نہیں کیا کرتا۔ دوسرے یہ کہ زکریاؑ کے پاس تو کچھ بھی مال نہ تھا آپ تو صرف ایک معمولی بڑھئی تھے آپ کے صاحبزادے یحییٰؑ اعلیٰ درجہ کے زاہد تھے۔ اسکے علاوہ آپ نے فقط یہ التجا کی تھی کہ مجھے اپنے بعد اپنے رشتہ داروں کا خوف ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس بات کا خوف کرنا ان کے شان عالی کے کسی طرح بھی شایان نہ تھا کہ جب مر جاؤں گا

تو یہ میرے بعد میرا مال ہتھیالیں گے۔ کیونکہ اس خوف کرنے کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔

فدک کا جھگڑا اور اُسکا قصہ

ہم اس سے پہلے فدک کے قصہ پر بحث کر چکے ہیں مگر اس مشہور مسئلہ پر ہم زیادہ روشنی ڈالنا چاہتے ہیں تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے اور پھر کسی کو بھی اسمیں چون و چرا کرنے کا یارا نہ ہو۔ بحثیں سب انقطاعی ہیں جنکا جواب محالات سے ہے کسی بات کا بھی جواب نہیں ہوسکتا۔ اور تمام دنیا کے شیعی علماء مل کے بھی ایک بات کو نہیں جھٹلا سکتے۔ یہی دو تین مشہور قصے ہیں جن سے کم علموں کو ورغلایا جاتا ہے لہٰذا اسپر پوری بحث ہونی ضروری ہے اب ملاحظہ ہو شیعی علماء فرماتے ہیں۔ کہ جب فاطمہ نے یہ فرمایا کہ میرے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک میرے نام ہبہ کر دیا تھا تو ابوبکر نے ان سے کہا کہ تم کوئی کالا یا گورا آدمی لاؤ جو اسکی بابت تمہاری گواہی دے فاطمہ ام ایمن کو لے گئیں اور انہیں گواہی میں پیش کیا ام ایمن نے ان کے موافق گواہی دی تو اسپر ابوبکر بولے یہ عورت ہے اسکا کہنا معتبر نہیں ہوسکتا حالانکہ سب سنیوں نے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ام ایمن امراۃ من اھل الجنۃ یعنی ام ایمن جنتی عورت ہے پھر امیر المومنین علی بن ابی طالب گواہی میں پیش ہوئے انہوں نے بھی فاطمہ کی گواہی دی اس پر ابوبکر نے کہا کہ یہ تمہارا شوہر ہے اپنا فائدہ چاہتا ہے۔ لہٰذا اس کی گواہی پر بھی ہم آپ کو ڈگری نہیں دے سکتے باوجود یہ کہ سب سنی اس کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔ علی مع الحق والحق یدور معہ حیث دار ۔ یعنی علی حق کے ساتھ ہیں اور جہاں یہ پھرتے ہیں حق ان کے ساتھ پھرتا ہے اور فرمایا ولن یفترقا حتی یردا علی الحوض. یعنی یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔ اس پر فاطمہ غصہ ہو کر چلی آئیں اور قسم کھالی کہ میں ابوبکر سے کبھی نہ بولونگی نہ اس کی صورت دیکھوں گی یہاں تک کہ میں باپ سے ملوں اور ان سے اسکی شکایت کروں۔ چنانچہ جب آپ کا اخیر وقت آیا تو آپ نے حضرت علی کو یہ وصیت کی کہ مجھے رات ہی کو دفن کر دینا۔ اور میرے جنازے کی نماز پڑھنے کو ان میں سے کسی کو نہ بلانا اسکے علاوہ سب سنی یہ بھی۔ روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یا فاطمہ ان اللہ تعالی یغضب ویرضی

لرضاک۔ اے فاطمہ تمہیں ناراض کرنے سے اللہ ناراض ہو جاتا ہے۔اور تمہیں خوش کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے۔اور یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا تھا۔فاطمة بضعة منی من اذاها فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی الله ۔ یعنی فاطمہ میرا پارہ جگر ہے جس نے اسے ستایا اس نے مجھے ستایا۔اور جس نے مجھے ستایا اس نے اللہ کو ستایا۔اسکے علاوہ اگر سنیوں کی یہ حدیث صحیح ہو کہ انبیاء کا کوئی ورثہ نہیں ہوتا تو پھر آنحضرت ﷺ کا وہ خچر جو آپ نے چھوڑا تھا اور آپ کی تلوار اور عمامہ امیر المومنین علی کے پاس چھوڑ دینا جائز نہ ہوتا۔حالانکہ جب عباس نے انکا دعویٰ کیا تو یہ چیزیں ابوبکر نے امیر المومنین کو دلوادی تھیں۔اگر ورثہ نہ تھا۔تو وہ اہل بیت جنکی بابت اللہ نے اپنی کتاب میں پلیدی سے پاک ہونا فرمادیا ہے ایک ناجائز امر کے مرتکب ہوں گے کیونکہ صدقہ ان پر حرام کر دیا گیا۔اور اس قصہ کے بعد جب بحرین کا روپیہ آیا تو جابر بن عبداللہ انصاری ابوبکر کے پاس بیٹھے تھے۔انہوں نے ان سے یہ بات کہی کہ نبی ﷺ نے یوں فرمایا کہ جب بحرین کی آمدنی کا روپیہ آئے گا۔تو ہم تمہیں روپوں کی تین لپیں بھر کے دیں گے ابوبکر بولے کہ آؤ اپنی تین لپیں بھر کے لے لو۔چنانچہ اس انصاری نے بغیر گواہ شہادت بلکہ محض اپنی باتوں پر مسلمانوں کے بیت المال کا روپیہ لے لیا فقط۔

جواب: شیعی علماء کے اس کلام میں جھوٹ۔بہتان اور خرافات اسقدر ہے کہ الٰہی توبہ۔بہرحال ہم اسکا جواب کئی طرح سے دیتے ہیں۔

(۱) یہ کہ فاطمہ کا فدک پر دعویٰ کرنے کا جو انہوں نے ذکر کیا ہے یہ فدک ان کی میراث ہونے کے صریح مناقض ہے کیونکہ اگر زہرا نے فدک کو بطریقہ وراثت لینا چاہا تھا تو پھر بطریقہ ہبہ لینا نہیں ہو سکتا تھا اور اگر بطریقہ ہبہ لیتی تھیں تو پھر بطریقہ وراثت لینا منع تھا۔اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ ہبہ تھا اور نہ میراث تھی اس کے علاوہ اگر بفرض محال یہ ہبہ مرض الوفات میں ہوا تو حضور انور تو اس سے یقیناً منزہ و مبرا تھے کہ آپ فقط ایک وارث کے لئے وصیت کر کے اسے وارث کر دیتے جیسا کہ معمولی آدمی کیا کرتے ہیں یا آپ ایسی مرض میں ایک ہی کو اسکے حق سے زیادہ دے دیتے اور اگر یہ صحت کی حالت میں ہوا تھا تو پھر اسپر قبضہ ہو جانا نہایت ضروری تھا۔ورنہ اگر واہب نے فقط زبانی کہدیا کہ میں ہبہ کرتا ہوں اور موہوب کا اسپر قبضہ نہ کرایا یہاں تک کہ مرگیا تو وہ ہبہ جماہیر علماء کے

نزدیک بالکل باطل فضول اور بے کار ہے پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ حضور انور نے فاطمہ کے نام فدک ہبہ کر دیا اور تمام اہل بیت اور باقی مسلمانوں کو اس کی خبر تک بھی نہ ہوئی اور اسکی واقفیت فقط ام ایمن اور علی کے ساتھ مخصوص رہی۔

دوسرا جواب: حضرت فاطمہ کا یہ دعویٰ کرنا خود فاطمہ ہی پر اعلیٰ درجہ کا بہتان ہے۔ انہوں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا۔

تیسرا جواب: اگر حضور انور کا ورثہ ہوتا تو اس میں مدعی حضور انور کی ازواج مطہرات اور آپ کے چچا بھی ہوتے پھر ان کے مقابلہ میں کتاب اللہ اور سنۃ رسول اللہ اور باتفاق مسلمین نہ ایک عورت کی گواہی قابل اعتبار ہو سکتی ہے اور نہ ایک مرد کی اور اگر آپ کا ورثہ نہ تھا جو آپکے وارثوں کو ملتا تو پھر اس میں مدعی سارے مسلمان تھے اسی طرح باتفاق تمام مسلمین اُن کے مقابلہ میں بھی نہ ایک عورت کی گواہی مقبول ہو سکتی ہے اور نہ ایک مرد کی ہاں فقہاء اہل حجاز اور فقہاء اہل حدیث کے نزدیک ایسی صورت میں ایک گواہی اور مدعی کی قسم پر حکم دیا جاتا ہے اور شوہر کی گواہی اپنی زوجہ کے لئے ہونے میں علماء کے دو قول مشہور ہیں وہی دونوں روایتیں امام احمد سے بھی منقول ہیں ایک یہ کہ ایسی گواہی ہرگز مقبول نہیں ہو سکتی اور یہ مذہب امام ابوحنیفہ، امام مالک، لیث بن سعد، اوزاعی، اسحاق وغیرہ کا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ شوہر کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے۔ یہ مذہب امام شافعی، ابوثور، ابن منذر کا ہے اور اسپر بھی بفرض محال اگر اس قصہ کا صحیح ہونا تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی باتفاق تمام مسلمانوں کے امام کو نہ ایک مرد کی گواہی پر حکم دینا درست ہے اور نہ ایک عورت کی شہادت پر خاص کر اس صورت میں کہ اکثر ائمہ تو شوہر کی گواہی جائز ہی نہیں کہتے اور ان ہی میں بعض ائمہ ایسے ہیں جو ایک گواہی اور ایک قسم پر بھی حکم نہیں لگاتے اور جو اسپر حکم لگاتے ہیں وہ بھی اس وقت تک نہیں لگاتے کہ جب تک مدعی قسم کھا لے۔

چوتھا جواب: شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ام ایمن آئیں اور انہوں نے فاطمہ کے موافق گواہی دی اس پر ابوبکر نے یہ کہا کہ ایک عورت کی گواہی قبول نہیں کی جا سکتی اور سب سنیوں نے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ ام ایمن جنتی عورت ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ حجت ایسے ناواقف کی ہے جو حجت کر کے اسے اپنے ام ایمن ہی پر قائم کرانی چاہتا ہے اس لئے کہ یہ قول اگر حجاج

بن یوسف مختار بن عبید یا ان ہی جیسا اور کوئی بھی کہتا تو بھی یہی کہنا پڑتا کہ اس نے سچ کہا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ ایسے مال پر مدعی کو ڈگری دینے میں جو بظاہر نظروں میں دوسرے کا ہے اور یہ مدعی خلاف قانون اسے لینا چاہتا ہے۔ ایک عورت کا کہنا ہرگز قبول نہیں کیا جا سکتا چہ جائے کہ جب اس کا قبول نہ کیا جانا ابوبکر سے مروی ہو۔ باقی یہ حدیث جو شیعی علماء نے ذکر کی ہے اور یہ کہا ہے کہ اسکو سارے سنیوں نے روایت کیا ہے محض غلط ہے۔ یہ حدیث اسلامی کتب میں کہیں نہیں ہے اور نہ علماء میں ہم کوئی ایسا عالم جانتے ہیں جس نے یہ حدیث روایت کی ہو۔ یہ ام ایمن اسامہ بن زید کی والدہ مہاجرات یعنی ہجرت کرنے والی عورتوں میں سے ہیں۔ اور یہ بے شک قابل تعظیم وتوقیر ہیں۔ مگر عقل باور نہیں کرتا کہ ام ایمن ایک پشت پناہی میں ہر جھوٹی سے جھوٹی روایت تسلیم کر لی جائے۔ پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سب نے یہ روایت کی ہے جسکے معنی یہ ہوئے کہ وہ متواتر حدیث ہے شریعت پر ایک بے رحمانہ سفا کانہ حملہ ہے۔ جو شخص حضور انور کی اس حدیث کا منکر ہو کہ۔ انہ لا نورث حالانکہ اسکو اکابر صحابہ نے روایت کیا ہے۔ اور یہ کہتا ہو کہ اس حدیث کو سب نے نقل کیا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ سب سے زیادہ جاہل اور حق کا سب سے بڑا منکر ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ حضور انور نے یہ بیان فرمایا تھا۔ کہ ام ایمن جنتی ہے تو ایسا تو آپ نے اوروں کے حق میں بھی فرمایا ہے۔ کہ یہ جنتی ہیں۔ عشرہ مبشرہ صحابیوں میں سے ہر ایک کی بابت حضور نے فرمایا ہے کہ یہ جنتی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ بیعت الرضوان کر چکے ہیں۔ ان میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے گا۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں علماء حدیث سے ثابت ہے اور عشرہ مبشرہ وغیرہ کے جنتی ہونے کی حدیث اہل سنن نے متعدد سندوں سے روایت کی ہے پس یہ حدیثیں تمام علماء کے نزدیک مشہور و معروف ہیں۔ مگر تماشہ یہ ہے کہ شیعی علماء ان لوگوں کو جھوٹا کہتے ہیں۔ جنکی بابت یہ یقیناً معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے جنتی ہونے کے رسول گواہی دے چکے ہیں۔ پھر لطف یہ ہے کہ فقط ایک عورت کی گواہی قبول نہ کرنے پر ان کے جنتی ہونے کا صاف انکار کرتے ہیں۔ بھلا اس سے زیادہ اور عناد کیا ہو سکتا ہے اسکے علاوہ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک آدمی کا اہل جنت سے ہونا اسکی گواہی قبول کرنے کو واجب نہیں کر سکتا کیونکہ گواہی میں اس سے غلطی ہو جانی ممکن ہے اور اسی وجہ سے اگر خدیجۃ الکبریٰ یا عائشہ صدیقہ یا فاطمہ ان ہی جیسی اور بیبیاں جنکا اہل

جنت سے ہونا معلوم ہو چکا ہے اکیلی کوئی گواہی دیں تو ان کی گواہی مرد کی گواہی سے نصف ہوگی۔ جیسا کہ قرآن مجید سے یہ حکم ثابت ہو چکا ہے اسی طرح ان میں سے ایک کی میراث مرد کی میراث سے نصف ہوتی ہے۔ علی ہذا القیاس دیت کا بھی یہی حکم ہے اور ان سب باتوں پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک عورت کا اہل جنت سے ہونا اسکی گواہی قبول کرنے کو ضروری نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اس سے غلطی ہو جانا جائز ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی آدمی جھوٹ بولتا ہو اور پھر جھوٹ سے توبہ کر۔ لے تو وہ بھی جنتی ہو جاتا ہے۔ جس میں مطلق کلام نہیں ہو سکتا۔

پانچواں جواب: شیعی علماء کا یہ کہنا کہ پھر فاطمہ کی گواہی علی نے دی تو ان کے شوہر ہونے کے باعث ابوبکر نے ان کی گواہی بھی رد کر دی۔ اسکا جواب یہ ہے اول تو یہ قصہ ہی محض غلط اور سراسر بے بنیاد ہے۔ ہمارے احباب نے محض عداوت سے صدیق اکبر پر الزام لگانے کے لئے خود بخود یہ قصہ گھڑ لیا ہے۔ بفرض محال اگر درست بھی ہو تو بھی شوہر کی گواہی اکثر علماء کے نزدیک اب بھی مردود ہے تو پھر اس سے صدیق اکبر میں کیا خرابی نکلی۔ اسکے علاوہ جو علماء ایسی گواہی قبول کرتے ہیں ان کے نزدیک بھی یہ ہے کہ جب تک اس شوہر کے ساتھ دوسرا مرد مل کر یا اس ایک عورت کے ساتھ دوسری عورت مل کر گواہی کا نصاب پورا نہ کر دے تو وہ اس گواہی کو ہرگز قبول نہیں کرتے باقی ایک مرد اور ایک عورت ہی کی گواہی پر بغیر مدعی کی قسم کے حکم لگا دینا تو کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

چھٹا جواب: شیعی علماء کا یہ کہنا کہ یہ حدیث سب نے روایت کی ہے کہ حضور انور نے فرمایا تھا علی مع الحق والحق یدور معه حیث دار ولن یفترقا حتی یردا علیَّ الحوض. یہ انتہاء درجہ کی خرافات، جہالت اور صریح جھوٹ ہے۔ کیونکہ یہ حدیث حضور انور سے آج تک کسی نے بھی روایت نہیں کی نہ صحیح اسناد سے نہ ضعیف اسناد سے اب یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث کو سب نے روایت کیا ہے کیا اس سے کوئی بڑھ کر جھوٹ ہو سکتا ہے جو صحابہ اور علماء کی شان میں یہ کہے کہ یہ حدیث ان سب نے روایت کی ہے حالانکہ وہ حدیث ان میں کسی سے بھی معروف اور کہیں بھی منقول نہیں ہے اسکے علاوہ حضور انور پر بہتان بندی کرنی کسی صحابی پر بہتان بندی کرنے سے زیادہ غضبناک ہے مگر اس دلیری کے قربان جایئے کہ کس طرح اپنا تخیل یا فاسد عقیدہ جہلا کو منوانے کے لئے منہ بھر بھر کے

حضورانور کی اطہر اقدس ذات پر بہتان اٹھائے جاتے ہیں۔اب رہا ام ایمن کا جنتی ہونا ممکن ہے کہ حضورانور نے یہ فرمایا ہو۔ام ایمن ایک نیک بی بی مہاجرہ عورتوں میں سے تھیں اس لئے ان کے جنتی ہونے کی خبر کے انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہاں یہ بات تو کسی طرح بھی تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ صحابی کے حق میں حضورانور یہ فرمائیں۔کہ یہ حق کے ساتھ ہے اور جہاں جاتا ہے حق اس کے ساتھ ساتھ پھرتا ہے یہ کلام ایسا ہے کہ حضورانور کی مقدس ذات بیشک اس سے منزہ مبرہ ہے اول تو اس لئے کہ حوض کوثر پر آپ کی حضوری میں بہت سی مخلوق اُترے گی چنانچہ آپ نے انصار سے فرمایا تھا کہ اصبرو احتی تلقونی علی الحوض. یعنی دیکھو صبر ہی کرتا یہاں تک کہ تم مجھ سے حوض کوثر پر جا ملو۔اور فرمایا۔"ان حوضی لا بعد ما بین ایلة الی عدن وان اول الناس ورودالفقراء المهاجرین شعثه وساالانس ثیابا الذین لا ینکحون المتعمات یموت احدهم وحاجة فی صدورها لا یجدقضا. یعنی میرے حوض کوثر ایلہ اور عدن کے درمیانی فاصلہ سے بھی بڑی ہے اور سب سے پہلے وہاں پہنچنے والے فقراء اور مہاجرین ہیں۔جنکے بال پراگندہ کپڑے میلے خوشحال امیرزادیوں سے شادی نہیں کرتے اگر کوئی ان میں سے مرجاتا ہے تو انکی دلی مراد دل ہی میں رہتی ہے کبھی پوری نہیں ہوتی۔یہ حدیث مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے اسکے علاوہ حق تو ایسی چیز نہیں ہے کہ جو آدمیوں کی طرح حوض کوثر پر جا اترے ہاں کہتے ہیں کہ حضورانور نے فرمایا تھا۔انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اهل بیتی لن یفتر قاحتی یرد اعلیٰ الحوض. یعنی تمہارے اندر دو چیزیں بڑی وزنی میں چھوڑے جاتا ہوں ایک قرآن مجید و دوسری میری عترت یعنی میرے اہل بیت اور یہ دونوں جدا نہ ہوں گے۔یہاں تک کہ دونوں کے دونوں حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں ہمیں اس میں بھی کلام ہے جس کی بحث انشاءاللہ تعالیٰ اپنے موقع پر کریں گے ہاں بفرض محال یہ صحیح بھی ہو تو یہاں قرآن سے مراد قرآن کا ثبوت ہے۔باقی رہا وہ حق جو ایک آدمی کے ساتھ پھرتا ہے اور وہ آدمی اسکے ساتھ پھرتا ہے تو وہ اس آدمی کی ایک صفت ہے جو کبھی اس سے علیحدہ نہیں ہوسکتی اور اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ آدمی سچا ہے اور اس کے عمل اچھے ہیں۔اس سے یہ مراد نہیں ہوسکتی کہ اس کے سوا اور کوئی حق پر نہیں ہے دوسرے یہ کہ حضورانور کے سوا اور کسی شخص کے ساتھ حق

نہیں پھرتا اگر ایسا ہوتا کہ جہاں علی جاتے حق اُنکے ساتھ ساتھ پھرا کرتا تو پھر علی کا معصوم ہونا ضروری امر تھا یعنی جیسے حضور انور معصوم تھے علی بھی ہوتے گو شیعی علماء بغیر استدلال اور اسناد کے اس کا تو دعویٰ کرتے ہیں لیکن جسے یہ معلوم ہوگیا ہے کہ ابوبکر، عمر، عثمان وغیرہ سے زیادہ علی معصوم ہونے کے لائق ہرگز نہیں ہے۔ وہ ان کے جھوٹ کو خوب سمجھ لیتا ہے اور علی کے فتوے ابوبکر، عمر، عثمان، کے فتوؤں کے آگے کوئی وقعت نہیں رکھتے نہ وہ اپنے مرجوحہ اقوال میں علی کے مرجوحہ اقوال سے زیادہ ہیں نہ حضور انور نے علی کی اتنی تعریف اور ان سے اتنا خوش ہونا ظاہر کیا جتنا خلفاء ثلثہ سے خوش ہونا اور انکی تعریف فرمائی ہے۔ بلکہ اگر کوئی یہ کہدے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دامادوں میں عثمان غنی سے کبھی کسی بات پر غصہ نہیں ہوئے اور علی پر بہت غصہ ہوئے اور اکثر غصہ میں رہتے تھے یہاں تک کہ علی نے اپنی اس خطا کو کہ وہ ابوجہل کی لڑکی سے خاتون محشر کی موجودگی میں نکاح کرنا چاہتے تھے معاف تک نہیں کرائی اور حضور انور کا غصہ ہی میں وصال ہوگیا تو یہ کہنا کچھ غلط نہیں اسکے علاوہ جب کبھی رسول اللہ نے کچھ نصیحت فرمائی تو علی نے اسکا سخت تلخی سے جواب دیا اور وہ جواب حضور کو ناگوار گذرا چنانچہ ایک مرتبہ رات کو حضور فاطمہ کے گھر تشریف لے گئے اور انہیں لیٹے ہوئے دیکھ کر یہ فرمایا کہ کیا تم دونوں نماز نہیں پڑھتے اس پر علی بولے۔ انما انفسا بید اللہ ان شاء اللہ ان یبعثنا بعثنا کہ ہم تو للہ کے قبضہ میں ہیں اگر وہ ہمیں اٹھانا چاہے تو اٹھادے حضور انور اتنا سنتے ہی کھڑے ہوگئے اور بڑے تعجب سے غصہ میں بھرے ہوئے اپنی رانوں پر ہاتھ مار کے یہ کہتے چلے آئے وکان الانسان اکثر شیئ جدلا یعنی انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔ باقی رہے فتوے سو ایک فتویٰ تو علی نے یہ دیا تھا۔ کہ جس عورت کا شوہر مرجائے اور وہ حمل سے ہو تو ایسی عورت وہ عدت پوری کرے جو دونوں میں بڑی ہو اور فتویٰ حضور انور کے زمانہ میں ابوالسنابل بن بعکک نے بھی دیا تھا جس پر حضور نے اسکی خبر سنتے ہی یہ فرمایا تھا کہ ابوالسنابل جھوٹا ہے ایسی مثالیں اور بہت سی ہیں خلاصہ کلام یہ ہے کہ تنہا علی کی گواہی پر حکم لگانا ہرگز جائز نہ تھا جیسا کہ یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی اپنے لئے خود ہی حکم لگائے۔

ساتواں جواب: شیعی علماء نے جو فاطمہ کی طرف سے نقل کیا ہے وہ فاطمہ کی شان کے کسی طرح شایان نہیں ہے نہ اس سے کوئی حجت لاسکتا ہے ہاں کوئی ایسا جاہل جو یہ خیال کرتا ہو کہ میں فاطمہ کی

برائی کرر ہا ہوں اور در حقیقت وہ اسپر نکتہ چینی کرتا ہو اس لئے کہ اس مذکور میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو غصہ کا باعث ہو کیونکہ اگر یہ بات صحیح ہو تو صدیق اکبر نے محض اس حق کی وجہ سے حکم دیا تھا کہ جسکے خلاف کرنا کسی مسلمان کو جائز نہیں ہے بلکہ اگر کوئی یہ چاہے کہ اللہ کے اور اللہ کے رسول کے حکم کے خلاف حاکم میرے لئے حکم دے دے۔ اور وہ حاکم نہ دے اسپر وہ ناراض ہو کے قسم کھا بیٹھے کہ میں نہ حاکم سے بولوں گا اور نہ اسکی صورت دیکھوں گا تو یہ بات ہرگز ایسی نہیں ہے کہ جس پر اسکی تعریف کی جائے اور نہ اسپر اس حاکم کی برائی ہو سکتی ہے بلکہ حاکم کی برائی ہونے سے اسکا زیادہ تر منشاء یہ ہے کہ اسکی تعریف ہو اور یہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ فاطمہ کی طرف سے یا ان کے سوا اور صحابہ کی طرف سے جو اس قسم کی برائی کی باتیں حکایت کی جاتی ہیں۔ ان میں اکثر جھوٹی ہوتی ہیں اور بعض میں ان کی تاویل ہوتی ہیں۔ اور بعض گناہ بھی ہوتے ہیں اور جب یہ بات اس طرح سے ہے تو معلوم ہوا کہ یہ معصوم نہیں ہیں بلکہ انسے باوجود اولیاء اللہ اور اہل جنت سے ہونے کے گناہ بھی ہو جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالی انکی مغفرت کر دیتا ہے اسی طرح فاطمہ کی طرف سے جو یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے اسبات کی قسم کھالی کہ میں ابوبکر سے کبھی نہ بولوں گی نہ ان کی صورت دیکھوں گی یہاں تک کہ میں اپنے باپ سے ملکر ان سے اسکی شکایت کروں۔ یہ بات بھی فاطمہ کی طرف سے بیان کرنے کے کسی طرح لائق نہیں ہے۔ کیونکہ شکوہ شکایت تو اللہ ہی سے ہونا چاہیے۔ جیسا کہ ایک صالح بندہ نے کہا تھا۔ انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی دعا میں ہے۔ اللھم لک الحمد والیک المشتکی وانت المستعان وبک المستغاث وعلیک التکلان. اسی طرح خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس سے فرمایا تھا۔ اذا سالت فاسال اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ. یعنی جب تم کچھ مانگو تو اللہ ہی سے مانگو اور جب امداد چاہو اللہ ہی سے چاہو! حضور نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے مانگو اور مجھ ہی سے مدد چاہو پھر اللہ فرماتا ہے۔ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ. دیکھئے بات صاف ظاہر ہے کہ جب ایک عورت نے حاکم وقت سے کچھ مانگا اور اس نے مال اسکو محض اس وجہ سے نہ دیا کہ اسکے نزدیک وہ اسکی مستحق نہیں ہے اور وہ نہ اپنے گھر کے آدمیوں میں سے کسی کو دیتا ہے نہ کسی اپنے دوست کو دیتا ہے بلکہ سارے مسلمانوں کو دیتا ہے۔ تو اس پر اس انکار

سے کوئی حرف نہیں آئے گا اور اگر کوئی کہے کہ مدعی حاکم پر غصہ ہو گیا ہے تو اسکا زیادہ سے زیادہ یہی سبب ہو گا۔ یعنی وہ غصہ اس لئے ہوا ہو گا کہ حاکم نے اسے اسکے دعوے کے موافق مال نہیں دلوایا بلکہ یہ کہہ دیا کہ یہ مال تیرا نہیں ہے مدعا علیہ کا ہے تو اس غصہ ہونے میں مدعی کی تعریف ہونے کی کونسی بات ہو گی اگر وہ محض مظلوم بھی ہو گا تب بھی اسکا غصہ دینا ہی طلبی کے لئے ہو گا اور اس حاکم پر یہ تہمت لگانی اس مدعی پر تہمت لگانے سے بہت ہی بعید ہو گی۔ جسے سچ مچ اس مال سے کوئی بھی واسطہ نہیں ہے اب یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایسے حاکم پر تو تہمت لگائی جائے اور اس مدعی پر نہ لگائی جائے علی ہذا القیاس حاکم مدعی سے یہ کہتا ہے کہ میں تو اللہ کے خوف کی وجہ سے نہیں دیتا کیونکہ میرے لئے یہ درست نہیں ہے کہ میں یہ مال اسکے مستحق سے چھین لوں اور غیر مستحق کو دیدوں اور مدعی صاف کہتا ہے کہ میں اپنے اس تھوڑے سے حصہ کی وجہ سے غصہ ہوتا ہوں تو کیا یہ بات ایسی ہے جو فاطمہ کی تعریف میں کہی جائے کیا اللہ نے ان منافقین کی برائی نہیں کی جنکی بابت فرمایا۔ وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ. وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ. (التوبہ:۵۸۔۵۹) یعنی اور ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو تمہیں صدقوں کی تقسیم میں ناانصافی کا عیب لگاتے ہیں۔ پس اگر انہیں ان میں سے کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو گئے اور انہیں ان میں سے کچھ نہ دیا تو فوراً ناخوش ہو جاتے ہیں اگر یہ لوگ اس چیز پر راضی رہتے جو اللہ نے اور اسکے رسول نے انہیں دی تھی اور کہتے ہمارے لئے اللہ کافی ہے عنقریب اللہ اور اسکا رسول ہمیں دے گا۔ بیشک ہم اللہ سے اسکے فضل کے امیدوار ہیں تو ان کے حق میں بہت اچھا ہوتا یہاں اللہ نے ایک ایسی قوم کا ذکر کر کے کہ اگر انہیں دو تو خوش ہیں اور نہ دو تو ناخوش ہیں اسی سے ان کی برائی کی ہے اب جو شخص فاطمہ کی ایسی تعریف کرے جس میں ان لوگوں سے مشابہت ہو تو کیا یہ فاطمہ پر قادح اور نکتہ چین نہ کہلائے گا۔ اللہ شیعی علماء کا بھلا کرے اور ان سے اہل بیت کا انصاف دلوائے کیونکہ انہوں نے اہل بیت کے ذمہ ایسے ایسے ناگفتہ بہ عیب چپکے ہیں کہ جو کسی عقلمند پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ فاطمہ تو اپنا ہی حق چاہتی تھیں تو یہ دوسرے کے اس کہنے سے بہتر نہ ہو گا کہ ابوبکر صدیق تو کسی یہودی یا نصرانی کا حق بھی نہ رکھتے تھے

پھر سیدۃ النساء العالمین یعنی سارے جہان کی عورتوں کی سردار کا حق کیسے رکھ لیتے کیونکہ ان کے حق میں تو خود اللہ نے اور اللہ کے رسول نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ یہ اپنا مال بیشک اللہ کے لئے خرچ کرتے ہیں اب ایسا شخص لوگوں کو ان کے مال دینے سے کیونکر دریغ کر سکتا ہے اسکے علاوہ یہ بھی توجہ سے دیکھنے کے قابل ہے کہ فاطمہ نے حضور انور سے بھی چند مرتبہ مال مانگا تھا لیکن حضور نے ان کو نہیں دیا تھا۔ جیسا کہ صحیحین میں علی سے ثابت ہے کہ ایک دفعہ جب فاطمہ حضور انور کی خدمت میں گئیں تو آپ سے ایک خادم کی درخواست کی آپ نے کوئی خادم تو نہیں دیا بلکہ اسکے عوض میں تسبیح پڑھنے کی تعلیم کی اور جب ایک دفعہ ایسا ہو چکا ہے کہ فاطمہ نے حضور انور سے بھی ایسی چیز مانگی تھی جو حضور انور نے انہیں نہیں دی تھی اور نہ اسکا دینا آپ پر واجب تھا تو اب بھی ایسا ہی ہوا کہ حضور انور کے خلیفہ ابو بکر صدیق سے ایسی چیز مانگی جس کا انہیں دے دینا صدیق پر واجب نہ تھا اور جب ان پر واجب نہ تھا تو پھر غیر واجب کے ترک کرنے پر ان کی کوئی برائی نہیں کی جا سکتی اگر چہ اسکا دینا مباح ہو۔ لیکن جب ہم یہ جان لیں کہ یہ دینا مباح بھی نہ تھا تو پھر اس نہ دینے پر صدیق اکبر ضرور تعریف کئے جانے کے مستحق ہوں گے۔ کیونکہ صدیق کی بابت کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے کسی حقدار کا حق نہ دیا ہو نہ حضور انور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور نہ وصال کے بعد۔

فاطمہ کی وصیت دفن: خاتون محشر کی طرف سے جو یہ بات بنائی گئی ہے کہ مجھے راتوں رات دفن کر دینا اور ان میں کسی سے میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھوانا۔ فاطمہ کی طرف سے ایسی حکایت اور ایسی حجت وہی شخص کر سکتا ہے۔ جس نے ہمیشہ ان کی ہجو ملیح کو اپنی زندگی کا اصول سمجھا کیونکہ کسی کے جنازے پر ایک مسلمان کا نماز پڑھنا زیارت خیر ہے جو اس مردہ کو پہنچتی ہے اور افضل الخلق کے جنازہ کی اگر کوئی بدترین مخلوق بھی نماز پڑھے تو اسکی نماز سے اس جنازہ والے کو کوئی تکلیف نہیں غور کرنے کی بات ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں جن پر ابرار، فجار، اور منافقین اور فساق سب درود و سلام بھیجتے ہیں۔ اور اس سے اگر آپ کو کوئی نفع نہیں ہوتا تو نقصان بھی نہیں ہوتا حضور تو خوب جانتے تھے کہ میری امت میں منافق بھی بہتیرے ہیں۔ مگر آپ نے اپنی امت کے کسی فرد بشر کو اپنے اوپر درود بھیجنے سے منع نہیں کیا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ میں اپنے اوپر درود و سلام بھیجنے کا تم سب کو حکم کرتا ہوں

باوجود یہ کہ ان میں مومن منافق سب ہی قسم کے آدمی تھے اب بھلا فاطمہ کی تعریف کے موقع پر ایسی باتیں بیان کرنی اور انہیں حجت سمجھنا کس طرح درست ہوسکتا ہے یہ ایسی جاہلانہ بلکہ وحشیانہ باتیں ہیں کہ معمولی عقل کا انسان بھی انہیں نہیں کرنے کا۔ پھر دیکھو اگر کوئی یہ وصیت کر مرے کہ میرے جنازے کی مسلمان نماز نہ پڑھیں تو اسکی وصیت نافذ نہیں ہوتی۔ بیکار محض سمجھی جاتی ہے اس لئے کہ مسلمانوں کا اس کے جنازے کی نماز پڑھنا اسکے لئے ہر حال میں بہترائی کا باعث ہے اور یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ایک غریب پر کسی نے ظلم کیا اور اس مظلوم نے مرتے وقت یہ وصیت کر دی کہ میرے جنازے کی نماز اس ظالم کو نہ پڑھنے دینا۔ تو اسکا یہ منع کر دینا ان حسنات میں سے نہ ہوگا۔ جن پر تعریف کی جاتی ہے نہ اسکا کہیں اللہ نے اور اللہ کے رسول نے حکم دیا۔ اب بھلا جو شخص فاطمہ کی تعریف اور تعظیم کا قصد رکھتا ہو وہ ایسی باتیں کیوں بیان کرنے لگا ہے کہ جنہیں کسی طرح بھی کوئی تعریف نہیں ہے بلکہ اگر ہے تو اور اسکے خلاف میں ہے جیسا کہ کتاب سنت۔ اجماع تینوں اس پر دال ہیں۔

فاطمہ کی ناراضی: باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ان سب نے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ سے یہ فرمایا تھا کہ اے فاطمہ تمہیں ناراض کرنے سے اللہ ناراض ہو جاتا ہے اور تمہیں خوش کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے۔

جواب: یہ بھی شیعی علماء کا نرا اتہام ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث کسی نے بھی روایت نہیں کی اور نہ یہ حدیث کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں ہے نہ حضور انور سے اس کی کوئی سند معروف ہے نہ صحیح نہ ضعیف نہ حسن اور جب ہم نے یہ اقرار کر لیا کہ فاطمہ بیشک جنتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا ہے تو اب ہم اس بارے میں ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، طلحہ، زبیر، سعید، عبدالرحمٰن بن عوف کے لئے بھی دل سے اقرار کرتے ہیں۔ اور اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ ان سے اپنے راضی ہونے کی خبر دی ہے چنانچہ فرمایا۔ وَالسَّابِقُون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضوعنه اور فرمایا لقد رضی الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة. صحیح سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ جس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی آپ ان حضرات سے نہایت خوش تھے۔ دوسرے

یہ کہ جس سے اللہ راضی ہو گیا ہو اور وہ اللہ سے راضی ہو گیا ہو تو اسکی رضا مندی اللہ کی رضا مندی کے موافق ہو گی وہ اللہ سے اللہ کے اسی حکم پر راضی ہو گا اللہ کی رضا مندی کے موافق ہو گا اور اب مخلوق میں سے کسی کا غصہ ہونا ایسے شخص کو کچھ بھی ضرر نہیں دے سکتا خواہ وہ کوئی ہو اس لئے کہ جب یہ حضرات اللہ کے حکم موافقت کرنے سے راضی ہوتے تھے تو ضرور ہے کہ اللہ کے غصہ ہی کی وجہ سے غصہ بھی ہوتے تھے اور اسی طرح اللہ پاک کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جب وہ ان سے راضی ہو چکا ہے تو ان کو غصے اور ناراض کرنے پر وہ ناراض بھی ہو گا۔

فاطمہ اور نبی ﷺ: اسی طرح شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنیوں نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ان **فاطمہ بضعة منی من اذا ھا اذالی ومن اذانی اذاللہ**۔ یہ صریح جھوٹ ہے کیونکہ ان لفظوں سے یہ حدیث کسی نے روایت نہیں کی ہاں اور لفظوں سے بے شک مروی ہے جیسا کہ حضرت علی کے ابو جہل کی بیٹی سے منگنی کرنے کے قصہ میں مذکور ہو چکی ہے کہ حضور نے کھڑے ہو کے یہ فرمایا تھا۔ **انما فاطمہ بضعة منی یریبنی مارا بھا ویوذینی ما اذا ھا** اور بعد میں یہ بھی فرمایا تھا۔ کہ دیکھو میں حرام کو حلال نہیں کرتا ہوں لیکن ہاں اللہ کی قسم کھا کے یہ کہتا ہوں کہ رسول اللہ کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی ایک شخص کے پاس کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم نے صحیحین میں علی بن حسین اور مسور بن مخرمہ سے روایت کی ہے اور اس حدیث کا سبب حضرت علی کا وہ پیغام ہے جو آپ نے ابو جہل کی بیٹی سے بھیجا تھا قاعدہ ہے کہ سبب اس حدیث کے لفظوں میں یقیناً شامل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حدیث کے یہ الفاظ اس سبب ہی کی وجہ سے ظہور میں آئے ہیں اب اسکا اس حدیث سے خارج کر دینا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ سبب کو اس میں داخل رکھنا بالاتفاق واجب ہے اور اس حدیث میں حضور انور نے یہ فرمایا ہے کہ **یریبنی مارا بھا ویوذینی مااذاھا** یعنی جو بات فاطمہ کو پریشان کرے گی وہ مجھے پریشان کرے گی اور جو فاطمہ کو ستا ئیگی مجھے بھی ستا ئیگی! اور یہ یقیناً معلوم ہے کہ حضرت علی کے ابو جہل کی بیٹی سے پیغام بھیجنے نے فاطمہ کو پریشان کیا اور ستایا تھا اسی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی صدمہ ہو کر پریشانی ہوئی تھی کہ فاطمہ کی موجودگی پر علی ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرتے ہیں۔ پس اگر یہ وعید ایسی ہے جو اس کرنے والے کے ساتھ لازم ہے تو اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ

یہ علی بن ابو طالب کے ساتھ لازم رہنی چاہیے اور اگر یہ ایسی نہیں ہے تو پھر علی کی بہ نسبت ابو بکر اس وعید سے کوسوں دور ہیں۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ اس رشتہ کے کرنے سے علی نے توبہ کر لی۔ (حالانکہ یہ ثابت نہیں ہوتا اور) اس سے رجوع کر لیا تھا تو اب اس سے یہ یقیناً ثابت ہو گیا کہ علی معصوم نہیں تھے اور جب یہ جائز اور ثابت ہو گیا کہ جس نے فاطمہ کی دل آزاری کی تو اسکے توبہ کر لینے سے یہ خطا معاف ہو جاتی ہے تو اب یہ بھی ضرور جائز ہو گا کہ یہی خطا اور ایسی نیکیوں سے بھی معاف ہو جائے گی جو گناہوں کو نیست و نابود کر دیتی ہیں۔ کیونکہ جو خطائیں اس گناہ سے بدر جہا بڑھ کر ہیں نیکیاں اور توبہ اور مصائب مکفرہ تو ان کو بھی نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ اور اسکی دلیل یہ ہے کہ یہ گناہ ایسا کفر نہیں ہے جس کی مغفرت بغیر توبہ کئے اللہ تعالیٰ نہ کرتا ہو اگر ایسا ہوتا تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں علی اسلام سے مرتد ہو گئے تھے۔ مگر خوارج یہ کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد علی مرتد ہو گئے تھے اور یہاں یہ بات نہیں ہوئی اور جب یہ گناہ شرک سے کم درجہ کا ہے تو اللہ جل شانہ نے خود فرما چکا ہے۔ کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ اس کو نہیں معاف کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا اور جس کو چاہے بخشدے۔ اگر شیعی علماء یہ کہیں کہ نہیں یہ گناہ کفر ہی ہے تا کہ اس کہنے سے ابو بکر صدیق کو کافر ٹھہرا دیں تو اس سے ان پر علی کو کافر ٹھہرانا لازم آئے گا۔ تماشا یہ ہے ہمارے احباب شیعہ ہمیشہ ابو بکر، عمر، عثمان پر عیب لگاتے ہیں۔ اور ایسے چند امور کی وجہ سے انہیں کافر کہتے رہتے ہیں کہ ان ہی جیسے یا بلکہ ان سے بڑھ کر علی سے صادر ہو چکے ہیں۔ پس اگر علی ماجور یا معذور ہیں تو یاد رکھو کہ اجر اور عذر میں یہ حضرات علی سے یقیناً اولیٰ و افضل ہیں۔ اسکے علاوہ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ فاطمہ کی ایذا رسانی بڑا گناہ اسلئے ہو گیا تھا کہ اس میں ان کے والد کی دل آزاری تھی۔ لیکن جب فاطمہ اور ان کے والد کی دل آزادی کے درمیان میں مقابلہ آ پڑے تو اس صورت میں ان کے والد کی دل آزاری سے بچنا زیادہ ضروری ہے اور ابو بکر اور عمر کا یہی خیال ہے کیونکہ وہ دونوں اس سے بچے کہ کہیں فاطمہ کے والد ماجد کی دل آزاری نہ ہو جائے یا ہماری طرف سے حضور انور کو کوئی پریشانی نہ ہو جائے۔ اسلئے کہ حضور نے ایک قاعدہ مقرر کر دیا اور ایک خاص حکم دے دیا تھا ان دونوں کو یہ

اندیشہ ہوا کہ اگر ہم نے آپ کا قاعدہ بدلا اور آپ کے حکم کے خلاف کیا تو ایسا نہ ہو کہ اس بدلنے اور خلاف کرنے کے باعث حضور ہم پر غصہ ہو جائیں اور اس سے حضور کو کوئی صدمہ ہو ہر عاقل یہ جانتا ہے کہ جب حضور انور نے ایک حکم دیدیا اور بعد اسکے فاطمہ نے یا اور کسی نے اس حکم کے خلاف کرانا چاہا۔ تو اس صورت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی رعایت رکھنی اولی اور زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ آپ کی اطاعت واجب اور آپ کی مخالفت حرام ہے اور اگر حضور کی طاعت سے کسی کو تکلیف معلوم ہونے لگے تو وہ اپنی اس تکلیف میں خطا پر ہوگا۔ اور آپ کی طاعت کرنے والا راہ راست پر رہے گا اور یہ صورت اس شخص کے بالکل خلاف ہے۔ جس نے اپنے ایک خاص غرض کی وجہ سے فاطمہ کو تکلیف دی اور اللہ کی اور اللہ کے رسول کی طاعت کو مدنظر نہ رکھا اگر کوئی ابوبکر صدیق کے حال میں غور کرے کہ وہ حضور انور کے حکم کی کس قدر رعایت رکھتے تھے اور یہ دیکھے کہ انکا مقصود محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت تھی۔ اور اسکے سوا اور کوئی غرض نہ تھی تو اسے یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ ان کا حال علی کے حال سے بیشک اکمل وافضل اور اعلیٰ ہے اسی وجہ سے ابوبکر قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنا مجھے اپنے قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے سے بہت ہی محبوب و مرغوب ہے آپ کا قول تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی آپ کے اہل بیت میں تلاش کیا کرو۔ صدیق سے یہ روایت امام بخاری نے نقل کی ہے۔ لیکن ہمارا اصل مقصود یہ ہے کہ اگر بفرض محال یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ابوبکر نے فاطمہ کی دل آزاری کی تھی تو اس میں شک نہیں کہ صدیق نے اپنی نفسانی غرض کے لیے ان کی دل آزاری نہیں کی۔ بلکہ محض اس لئے تا کہ آپ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت پر رہیں۔ اس میں بال برابر فرق نہ آئے اور حق اس کے مستحق کو پہنچا دیں اسکے مقابلہ میں فاطمہ کی موجودگی میں علی کا دوسرے نکاح کا قصد کرلینا اس میں فاطمہ کی دل آزاری علی کی خاص غرض کی وجہ سے تھی بخلاف ابوبکر کے اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ فاطمہ کی ایذا رسانی سے علی کو بچانا اور ابوبکر کے ذمہ یہ الزام رکھنا بہت ہی بعید بات ہے۔

آٹھویں وجہ: شیعی علماء کا یہ کہنا کہ حدیث انہ لا نورث صحیح اور حق ہوتی تو رسول اللہ کا خچر تلوار اور عمامہ علی کے پاس چھوڑ دینا جائز نہ ہوتا۔ حالانکہ جب عباس نے ان پر دعویٰ کیا تو ابوبکر نے علی کو ڈگری

دیدی تھی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ جو شخص یہ نقل کرے کہ ابو بکر اور عمر نے ان چیزوں کا کسی کے لئے حکم دے دیا تھا یا کسی کے پاس اس لئے چھوڑ دی تھیں کہ ان چیزوں کا وہ مالک ہے تو یہ ان دونوں صحابیوں پر صریح بہتان ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ سے زیادہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ان چیزوں کا کسی کے پاس رہنے دینا بعینہ ایسا تھا کہ جیسا ان دونوں صحابیوں نے علی اور عباس کے پاس حضور انور کے صدقہ کا مال رہنے دیا تھا۔ تا کہ یہ دونوں اس کو اسکے مصارف شرعیہ میں صرف کرتے رہیں۔ پھر شیعی علماء کا کہنا کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ جن اہل بیت کو اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں پاک کر چکا ہے وہ ایک ناجائز فعل کے مرتکب ہو جائیں۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ کہیں نہیں بیان کیا کہ اُس نے تمام اہل بیت کو پاک کر دیا اور اُنکی پلیدی دور کر دی ہے یہ کہنا یقیناً اللہ پر بہتان باندھنا ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ بنی ہاشم میں بعض ایسے بھی ہیں جو گناہوں سے پاک نہیں کئے گئے خاص کر شیعوں کے نزدیک کیونکہ ان کے ہاں تو یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ بنی ہاشم میں سے جو کوئی ابو بکر اور عمر سے محبت رکھے وہ پاک نہیں کیا گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ نے تو اس بارے میں یہ فرمایا ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا اور پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ اللہ کا یہ ارشاد مثل اس ارشاد کے ہے فرمایا۔ مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلٰکِنْ یُرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۔ ایسی اور بھی آیتیں ہیں۔ جن میں یہ بیان ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ تم سب کے لئے پسند فرماتا خوش ہوتا ہے اور تمہیں اسکا حکم دیتا ہے پس جس نے ایسا کیا ہے اُسے یہ پسندیدہ مراد حاصل ہو گئی اور جس نے نہ کیا اُسے حاصل نہیں ہوئی اسکی بحث گذشتہ صفحات میں ہو چکی ہے۔ یہ اعتراض زیادہ تر ان ہی قدر رافضیوں پر پڑتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک اللہ کے ارادہ کرنے کے معنی اسکے حکم کرنے کے ہیں۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ جو ارادہ وہ کرے اُسے خود ہی کر دیتا ہے۔ لہٰذا جب اللہ نے کسی کو پاک کرنے کا ارادہ کیا تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ پاک کر ہی دیا ہو اور نہ انکے نزدیک یہ جائز ہے کہ کوئی کسی کو پاک کرے بلکہ انکا قول تو صاف یہ ہے کہ جس شخص کو پاک کرنے کا اللہ نے ارادہ کر لیا اب اگر یہ شخص چاہے تو اپنے کو پاک کرے اور نہ چاہے تو نہ کرے ان کے نزدیک اللہ میں کسی کو پاک کرنے کی قدرت نہیں ہے۔

صدقہ حرام ہونا: پھر شیعی علماء کا یہ دلیل بیان کرنا کہ صدقہ تو ان پر حرام کردیا گیا تھا۔ اسکا پہلا جواب یہ ہے کہ ان پر فرض صدقہ یعنی زکوٰۃ کا کھانا حرام کیا گیا تھا نہ کہ نفلی کا کھانا بھی آخر یہ سب مکہ مدینہ کے درمیانی سبیلوں سے پانی پیتے ہی تھے اور خود یہ کہتے تھے کہ ہم پر تو صرف صدقہ حرام کیا گیا ہے اور نفلی حرام نہیں کیا گیا اور جب انہیں غیروں کے نفلی صدقوں سے فائدہ اٹھانا جائز تھا تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نفلی صدقہ سے فائدہ اٹھانا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ چیزیں حضور انور کی مفروضہ زکوٰۃ میں سے نہ تھیں۔ مفروضہ زکوٰۃ بیشک میل کچیل ہوتا ہے جو اہل بیت پر حرام کردیا گیا ہے اور یہ چیزیں تو اس آئی ہیں سے تھیں جو اللہ نے اپنے رسول کو دی تھی فی نے اُن کے لئے بھی حلال تھی اور جو مال اللہ نے حضور کو فی میں دیا تھا اُسے خود حضور نے صدقا قرار دیا تھا۔ یا اسکا زیادہ سے زیادہ یہ نتیجہ نکلے گا کہ چیزیں حضور کی ملک نہ تھیں جو آپ نے تمام مسلمانوں پر صدقہ کردی تھیں اور آپ کے صدقہ کے آپ کے اہل بیت سب سے زیادہ حقدار تھے کیونکہ عام مسلمانوں کو صدقہ دینے میں تو محض صدقہ ہی ہوتا اور قرابت داروں کو صدقہ دینے میں صدقہ اور صلہ رحمی دونوں ہیں۔

جابر کی حدیث: شیعی علماء کا جابر کی حدیث سے معارضہ کرنے کا جواب یہ ہے کہ جابر نے کسی اور کے حق پر دعویٰ نہیں کیا تھا جو اس سے چھین کے انہیں دے دیا گیا ہو بلکہ انہوں نے تو بیت المال میں سے کچھ مانگا تھا جو حاکم مال سے لیکر انہیں دیدینا جائز تھا اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا ان سے وعدہ بھی نہ کیا ہوتا اور جب حضور نے ان سے اس کا وعدہ بھی کرلیا تھا تو پھر یہ دے دینا بدرجہ اولیٰ جائز تھا اور اسی وجہ سے گواہ شاہد کی ضرورت نہ ہوئی اور اسکی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص آیا اور اسنے بیت المال کی زمین پر دعویٰ کردیا کہ یہ زمین میری ہے تو حاکم وقت کو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ زمین بیت المال سے نکال کر بلا کسی حجت شرعی کے اس شخص کے حوالے کردے اور دوسرے شخص نے کسی منقولی چیز کا دعویٰ کیا جس کا بیت المال سے لیکر مسلمانوں پر تقسیم کردینا واجب ہوتا ہے تو یہ چیز بغیر کسی حجت کے امام وقت کو دیدینی جائز ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ اور اوروں کا صدقہ سارے مسلمانوں کے لئے وقف کردیا گیا تھا۔ کسی کو جائز نہیں تھا کہ ان کی اصل کا مالک ہو جائے مگر ہاں ان کی آمدنی میں سے ضرورت کے لائق دے دینا جائز تھا پس وہ مال جو جابر کو دیا گیا

وہی تھا جو مسلمانوں میں تقسیم ہوتا تھا بخلاف اس مال کے اصول کے کہ نہ وہ جابر کی ملکیت تھی اور نہ کسی کی اور اسی وجہ سے ابوبکر و عمر، عباس، علی، حسن حسین وغیرہ بنی ہاشم کے آدمیوں کو اس سے کئی گناہ زیادہ دیتے تھے جو جابر بن عبداللہ کو دیا تھا۔ لیکن اسی مال میں سے جو مسلمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اگرچہ ان دونوں کے پاس حضور انور کی طرف سے کوئی تحریر وغیرہ اس بارے میں نہ تھی خیال تو فرمایئے اسپر شیعوں کا طوفان بندی کرنا اور یہ کہنا کہ جابر بن عبداللہ نے مسلمانوں کا مال بغیر گواہ شاہد بلکہ محض اپنی باتوں سے قبضہ میں لے لیا تھا ایسی خرافات ہے جس میں حکم خداوندی کا اثر تک نہیں کیونکہ جو مال جابر کو دیا گیا تھا وہ تو مسلمان میں تقسیم کرنا واجب ہی تھا اور منجملہ اور مسلمانوں کے ایک مسلمان جابر بھی تھے اس میں ان کا بھی حق تھا۔ یہ بھی منجملہ حصہ داروں کے تھے اور حاکم وقت نے مسلمانوں کے مال میں سے خواہ وہ فی ہو یا اور کسی صیغہ کا ہو۔ یا ایک مسلمان کو کچھ دے دیا تو اسے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے مسلمانوں کا مال بغیر گواہی شہادت کے دے دیا ہے کیونکہ اس میں گواہی شہادت کی کوئی حاجت ہی نہیں ہے بخلاف اس شخص کے جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ اس مال اصل کا بھی میں ہی مالک ہوں اور کوئی مسلمان مالک نہیں ہے جیسا کہ شیعوں کے خیال کے مطابق فاطمہ اور علی نے فدک پر دعویٰ کیا تھا ہاں اتنا فرق ہے کہ امام وقت مال کو اپنے اجتہادی انداز سے تقسیم کرتا ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم لپوں سے تقسیم کر دیتے تھے اسی طرح تقسیم کرنا عمر فاروق سے مروی ہے لپ بطور خود ایک پیمانہ قرار دے لیا گیا تھا جابر نے یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین لپیں دینے کا وعدہ کر لیا تھا اور یہ امر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے معتاد ہے اس لئے جابر نے اسی کو ذکر کیا کہ جس طرح حضور کے دینے کی عادت تھی اور جس میں حضور کا اقتدا کرنا جائز تھا۔

کیا ابوبکر خلیفہ نہیں ہیں: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ سنیوں نے ابوبکر کا نام تو خلیفہ رسول اللہ رکھ لیا حالانکہ ان کو رسول اللہ نے کبھی خلیفہ نہیں کیا نہ اپنی زندگی میں اور نہ وصال کے بعد مگر امیر المومنین علی کا نام خلیفہ رسول اللہ نہ رکھا باوجود یہ کہ انہیں رسول اللہ نے کئی جگہ خلیفہ کر دیا تھا۔ منجملہ ان کے غزوہ تبوک میں مدینہ ہی پر خلیفہ کر دیا تھا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ اے علی مدینہ کی خلافت تو میرے یا تمہارے ہی قابل ہے کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون تھے مگر

ہاں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اسکے علاوہ ایک ایسے لشکر پر جس میں ابوبکر اور عمر بھی تھے۔ حضور انور نے اسامہ بن زید کو امیر یعنی جرنیل کر دیا تھا۔ پھر آپ کی وفات ہو گئی۔ اور اسامہ کو معزول نہیں کیا لیکن سنیوں نے انہیں بھی خلیفہ نہ کہا بلکہ جب ابوبکر تخت حکومت پر بیٹھے تو اسامہ کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے صاف کہا کہ رسول ﷺ نے تو مجھے تم پر افسر کیا تھا۔ اب مجھ پر تم میں سے کون افسری کر سکتا ہے۔ آخر ابوبکر و عمر نے ان کی خوشامدیں کر کر کے انہیں راضی کر لیا اور جب تک اسامہ زندہ رہے۔ یہ دونوں انہیں امیر ہی کے خطاب سے پکارتے رہے۔ فقط

پہلا جواب: یہ ہے کہ یا تو خلیفہ کے یہ معنی ہیں کہ دوسرے کا جانشین ہو جائے اگرچہ اس نے خود سے اپنا جانشین نہ کیا ہو چنانچہ لغت میں بھی یہی معروف ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔ اور یا اس کے یہ معنی ہیں کہ اسی کو جانشین کر دیا ہو جیسا کہ اہل ظاہر کے ایک فرقہ اور شیعہ وغیرہ کا قول ہے پس اگر پہلے معنی لئے جائیں تو رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ابوبکر ہی ہیں کیونکہ حضور کے وصال کے بعد آپ کے جانشین یہی ہوئے تھے۔ ان کے سوا اور کوئی نہیں ہوا۔ اس میں تو شیعہ وغیرہ بھی نزاع نہیں کرتے کہ حضور انور کے بعد ابوبکر ہی حاکم ہو گئے تھے۔ یہی خلیفہ تھے۔ یہی مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ یہی ان میں حدود وغیرہ لگاتے تھے۔ یہی فی کا مال تقسیم کرتے تھے۔ یہی عاملوں اور افسروں کے عہدے مقرر کرتے تھے۔ یہ سب امور ایسے ہیں کہ یہ خلیفہ ہی کے اختیار میں ہوتے ہیں وہی ان کو انجام دیتا ہے۔ غرض کہ یہ بات تو بالاتفاق مسلم ہے کہ یہ کام حضور انور کے وصال کے بعد ابوبکر ہی نے کئے۔ لہٰذا ان امور میں حضور کے خلیفہ یقیناً ابوبکر ہوئے ہاں اہل سنت اتنا اور بھی کہتے ہیں۔ کہ خلیفہ ابوبکر ہی ہوئے اور وہی اس خلافت کے سب سے زیادہ حقدار اور لائق بھی تھے مگر شیعہ یہ کہتے ہیں کہ زیادہ حقدار علی تھے لیکن اس میں نزاع نہیں کرتے کہ اس وقت وہ خلیفہ ہو گئے تھے اور اسی خطاب سے پکارے جانے کے مستحق تھے۔ کیونکہ خلیفہ کے معنی یہی ہیں کہ جو دوسرے کا جانشین ہو جائے اور اگر کوئی یہ کہے کہ خلیفہ تو وہ ہوتا ہے جسے اس نے خود ہی اپنا جانشین کر دیا ہو۔ جیسا کہ بعض سُنی اور بعض شیعہ کا قول ہے سنیوں میں جس نے خلیفہ کے یہ معنی لئے ہیں وہ کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق کو اپنا خلیفہ اور جانشین کر دیا تھا خواہ نص جلی سے جیسا کہ بعض کا قول ہے اور خواہ نص خفی سے

جیسا کہ شیعہ جو علی پر نص ہونے کے قائل ہیں ان میں بھی بعض نص جلی کہتے ہیں۔ مثلاً امامیہ اور بعض نص خفی جیسے زیدیہ میں سے جارودیہ فرقہ مگر سنیوں کا ابوبکر پر نص ہونے کا دعویٰ خواہ جلی نص کا ہو یا خفی کا ان شیعوں کے علی پر نص ہونے کے دعوے سے بہت قوی اور ظاہر ہے اس لئے کہ ابوبکر کی خلافت پر بہت سی نصوص دال ہیں۔ ان کے مقابلہ میں علی کی خلافت پر کوئی دلیل نہیں ہے جو ہے بھی تو جھوٹی ہے یا اس میں اسبات کا کچھ پتہ نہیں ہے لہٰذا اس تقدیر پر یہ ثابت ہو گیا کہ حضور انور اپنی وفات کے بعد ابوبکر کے سوا اور کسی کو خلیفہ نہیں کیا اسی لئے آپ کے بعد وہی خلیفہ بنے کیونکہ اصل خلیفہ وہی ہے جو حضور انور کی وفات کے بعد آپ کا جانشین ہوا ہو یا آپ نے خود اپنی وفات کے بعد کے لئے اس کو خلیفہ کر دیا ہو یہ دونوں وصف ابوبکر کے سوا اور کسی میں نہیں ملتے اب رہا مدینہ پر حضور انور کا علی کو خلیفہ کر دینا اس میں علی کی کچھ خصوصیات نہیں ہے اس لئے کہ آپ کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی غزوہ میں آپ تشریف لے جاتے تھے تو اپنے صحابیوں میں سے ایک آدمی کو مدینہ کا خلیفہ کر جاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ابن ام مکتوم کو کیا تھا اور ایک دفعہ عثمان بن عفان کو جن لوگوں پر علی خلیفہ کئے گئے تھے وہ ان سے زیادہ یا افضل نہ تھے جن پر ابن مکتوم وغیرہ خلیفہ کئے گئے تھے۔ بلکہ پہلے ہمیشہ ایسا ہوتا رہا کہ جتنے آدمی غزوہ تبوک سے رہ گئے تھے اور غزوؤں میں مہاجرین اور انصار ان سے زیادہ اور افضل مدینہ میں رہ جاتے تھے۔ اسکی وجہ یہ ہوئی تھی کہ غزوۂ تبوک کے وقت مدینہ منورہ میں رہ جانے کی حضور انورﷺ نے کسی کو اجازت نہیں دی تھی۔ اس وجہ سے سوائے منافق یا معذور اور اُن تین آدمیوں کے جن کی اللہ نے بعد میں توبہ قبول کر لی اور کوئی مدینہ میں نہ رہا تھا اس وقت مدینہ میں قابل شمار عورتیں اور بچے ہی تھے کہتے ہیں بعض منافقین نے علی کو طعنہ دیا اور یہ کہا تھا کہ میاں تمہیں تو تمہارے پیغمبر اس وجہ سے چھوڑ گئے ہیں کہ وہ تم سے دلی کاوش رکھتے ہیں جب علی کے سوا اور لوگ ان بڑے بڑے موقعوں پر خلیفہ کئے جن پر علی کئے گئے تھے۔ تو وہ خلافت حضور انورﷺ کی عدم موجودگی میں ایک خاص گروہ پر منحصر رہی یعنی ان ہی پر جو مدینہ میں بچے کچھے رہ گئے تھے۔ تو اب علی کی خلافت بھی مطلق نہیں ہو سکتی کہ جو آپ کی خلافت کے بعد آپ کی ساری امت پر رہے اس کے علاوہ ان خلیفوں میں سے کسی کو عام طور پر خلیفہ رسول اللہ نہیں کہا گیا پس اگر یہ نام علی کا رکھا جائے تو اور صحابہ اس نام سے پکارے جانے کے علی سے

زیادہ مستحق ہیں کیونکہ اس میں علی کی کوئی فضیلت کوئی خصوصیت نہیں۔

دوسرا جواب: مطاع (یعنی جس کی اطاعت سب پر ضروری ہو) کی وفات کے بعد اس کا جانشین وہی ہوتا ہے جو سب سے افضل ہو اور اگر اس نے کسی غزوہ کے وقت کسی کو اپنا جانشین کر دیا ہو تو اس کا سب سے افضل ہونا ضروری نہیں ہے حضور انور کی یہ عادت تھی کہ غزووں میں ضرورت کے وقت آپ ایسے آدمیوں کو لے جاتے جو آپ کے نزدیک افضل ہوتے تھے ان سے جن کو آپ نے اپنے عیال پر خلیفہ کر دیں اس لئے کہ آپ کو اس خلیفہ سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا جتنا آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے والوں سے ہوتا ہے اب رہا حضور انور ﷺ کا علی کو ہارون سے تشبیہ دینا محض خلیفہ کرنے میں تشبیہ تھی نہ کہ اس کے کمال میں محض خلیفہ ہونے میں علی جیسے اور بھی صحابی ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ جب موسے میقات خداوندی کی طرف گئے تو آپ کے ساتھ کوئی نہ تھا جو اس کام میں آپ کے شریک ہوتا آپ نے ہارون کو ساری قوم پر خلیفہ کر دیا اور جب غزوہ تبوک میں حضور انور ﷺ تشریف لے گئے تو سوائے معذورین کے اور سارے مسلمان آپ کے ہم رکاب تھے علی کو فقط عیال اور تھوڑے سے آدمیوں پر خلیفہ کر دیا تھا۔ لہٰذا علی کی خلافت ویسی نہیں ہوئی جیسے موسیٰ نے ہارون کو خلافت دی تھی بلکہ حضور انور ﷺ نے اپنی موجودگی میں علی کو امین بنا دیا تھا جیسا کہ موسے نے اپنی عدم موجوگی میں ہارون کو امین بنا دیا تھا اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ علی کی یہ چند روزہ خلافت ان کا مرتبہ بڑھانے کے لئے نہ تھی بلکہ کبھی خلافت امانت داری کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے اور جب غزوۂ تبوک میں حضور انور ﷺ تشریف لے جانے لگے تو علی روتے تھے اور یہ عرض کرتے تھے کہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں گویا اپاہجوں اور عورتوں بچوں پر خلیفہ بنا علی کو شاق گذرا تھا اور علی اس میں اپنا ہتک سمجھتے تھے اس میں بعض کا قول وہی ہے کہ منافقین نے اس پر انہیں طعنہ دیا تھا تو یہ رو پڑے تھے اس پر حضور انور ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ تمہارا یہ مرتبہ تم میں کچھ نقصان ہونے کی وجہ سے نہیں ہوا اس لئے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو موسیٰ ہارون کو خلیفہ نہ کرتے۔

مدینہ کی خلافت کی تقسیم: باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ نے علی سے یہ فرمایا تھا کہ اے علی مدینہ کی خلافت تو میرے یا تمہارے سوا اور کسی کے قابل نہیں ہے! یہ حضور انور ﷺ پر صریح

بہتان ہے حدیث کی معتمد کتابوں میں کہیں اسکا پتہ نہیں ہے اس کا جھوٹ ہونا اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ سے تو حضور انور کئی مرتبہ تشریف لے گئے ہیں نہ اس وقت مدینہ میں حضور ہوتے تھے اور نہ علی پھر یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ مدینہ کی خلافت میرے یا تمہارے سوا اور کسی سے نہیں ہو سکتی جنگ بدر میں علی حضور انور کے ساتھ تھے اور بدر مدینہ سے کئی منزل پر تھا اس وقت مدینہ میں ان دونوں میں سے کوئی بھی نہ تھا فتح مکہ کے دن باتفاق تمام علماء، علی حضرت کے ساتھ تھے اور ان کی بہن نے اپنے دو دو یوروں کو پناہ دیدی تھی علی نے ان کو قتل کرنا چاہا تو وہ دوڑی ہوئی حضور انو صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہبیرہ کے بیٹوں کو میں نے پناہ دیدی تھی اور اب دیکھئے کہ میرا اسکا بھائی ان کو قتل کر دینے کے فکر میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام ہانی ایسا کب ہو سکتا ہے کہ تم پناہ دو اور علی قتل کر دے نہیں جسے تم نے پناہ دیدی اُسے ہم نے بھی پناہ دیدی۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے اس وقت بھی مدینہ میں نہ حضور انور تھے نہ علی تھے۔ علی ہذا القیاس خیبر کے دن علی کی طلبی ہوئی گئی آپ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں حضور انور نے انھیں جھنڈا دیدیا تا کہ مفتوحہ خیبر میں جھنڈا لے کے داخل ہوں یہ محض آپ کو خوش کرنے کے لئے کیا گیا کیونکہ علی کو ایسی باتوں پر خیال رہتا تھا۔ لیکن اس وقت مدینہ میں نہ رسول اللہ تھے نہ علی تھے اسی طرح طائف اور حنین کی جنگ ہے اور یہی صورت حجۃ الوداع کی ہے کیونکہ علی تو ان دنوں یمن میں تھے حضور انور حج کرنے کے قصد سے روانہ ہو گئے تھے اور پھر دونوں مکہ معظمہ جا کر ملے مدینہ منورہ میں اس وقت دونوں میں سے ایک بھی نہ تھا ہمارے شیعی علماء اپنی حد سے زیادہ خوش فہمی کے باعث ایسی الٹی سیدھی باتیں کہہ دیتے ہیں جو ایسے شخص پر بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی جسے سیرت سے قدرے بھی واقفیت ہو۔

اسامہ کی سرداری: باقی شیعی علماء کا یہ کہنا اسامہ کو حضور انو صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے لشکر کا سپہ سالار کیا تھا کہ ابوبکر و عمر بھی ان ہی میں تھے۔ یہ بھی ایسا جھوٹ ہے کہ ادنی محدث بھی اسے خوب جانتا ہے اس لئے کہ اس لشکر میں ابوبکر نہیں تھے بلکہ ان کو تو حضور انور نے اپنی بیماری ہی کے وقت سے اپنا خلیفہ کر دیا تھا پھر آپ کی وفات ہو گئی اور اسامہ کی بابت اتنا بے شک مروی ہے کہ حضور انور نے بیمار ہونے سے پہلے ان کے لئے جھنڈا نصب کیا تھا پھر جب آپ بیمار ہو گئے تو ابوبکر کو حکم دیا کہ وہ نماز

پڑھایا کریں چنانچہ ابو بکر نماز پڑھاتے رہے یہاں تک کہ حضور انور ﷺ کی وفات ہو گئی پس اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضور انور ﷺ نے بیمار ہونے سے پہلے ابو بکر کو اسامہ کے ساتھ جانے کا حکم دیدیا تھا تو پھر اسی عرصہ میں ان کو نماز پڑھانے کا حکم دینا اسامہ کے ماتحت ہو کر جانے کے حکم کے لئے منسوخ ہونے کا ضروری باعث ہے چہ جائے کہ جب اسامہ کو کسی وقت اُن پر افسر کیا ہی نہ گیا ہو دوسرے یہ چھوٹی چھوٹی مہموں بلکہ بڑے بڑے غزووں میں بھی حضور انور ﷺ کی یہ عادت نہیں تھی کہ کسی غزوے میں جانے کے لئے آپ خاص خاص لوگوں کو نامزد کر دیا کرتے ہوں بلکہ عام طور پر ایک اعلان ہو جاتا تھا۔ جس سے خود صحابہ جان لیتے تھے۔ اس غزوے میں سب کو جانے کا حکم نہیں ہے بلکہ سب کو اطلاع کر دی ہے کہ جو چاہے چلا جائے جیسا کہ غزوہ غابہ میں ہوا تھا اور کبھی حضور ﷺ کو کوئی قید لگا کر حکم دیتے تھے جیسا کہ غزوہ بدر میں یہ حکم ہوا تھا وہی لوگ چلیں جو ظہر میں حاضر ہیں چنانچہ اس میں بھی بہت سے آدمی نہیں گئے تھے علی ہذا القیاس غزوہ اسویق جو احد کے بعد ہوا تھا یہ حکم ہوا تھا کہ وہی لوگ جائیں جو احد کی جنگ میں گئے تھے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سب کو ہی حکم ہوتا تھا جیسا کہ جنگ احد میں کہ اس سے رہ جانے کی کسی کو بھی اجازت نہ تھی پھر حضور انور کے بعد یہی طریقہ آپ کے خلفاء کا رہا۔ ابو بکر جب شام وغیرہ کی طرف افسرون کو بھیجتے تھے تو عام طور پر اعلان کرا دیتے تھے اور جب ایسے لوگ اس افسر کیساتھ ہو جاتے کہ جن سے مقصود حاصل ہونے کی امید ہو تو بس ان ہی کو روانہ کر دیتے تھے حضور انور ﷺ نے جب موتہ کی طرف مہم بھیجی تو یہ فرمایا کہ تمھارا سپہ سالار زید ہے اگر یہ قتل ہو جائے تو پھر جعفر ہے اگر یہ بھی قتل ہو جائے تو پھر عبداللہ بن رواحہ ہے حضور انور ﷺ نے یہ تعیین نہیں کی تھی کہ اس کے ساتھ فلاں فلاں آدمی جائیں اور نہ صحابہ کے پاس کسی رجسٹر میں لکھے ہوئے تھے اور نہ نقیب پھرتے تھے کہ وہ سب کے نام نمبروار نکالا کرتے بلکہ حضور انور تو ایک افسر مقرر کر دیتے تھے اور جب اس کے ساتھ اس قدر آدمی ہو جاتے جن سے اس مقصود کے حاصل ہونے کی امید ہو تو ان ہی کو بھیج دیتے تھے اور وہ ان سب پر افسر ہو جاتا تھا کہ حج میں جب حضور انور نے ابو بکر کو بھیجا اور ان کے بعد ہی علی کو بھیج دیا تو ان سے ظاہر کر دیا تھا کہ تم ماتحت ہو اور ابو بکر تمہارے افسر ہیں روایت ہے کہ جو لوگ اسامہ کے ساتھ جانے کیلئے تیار ہوئے تھے عمر فاروق بھی ان ہی میں تھے لیکن نبی ﷺ

نے عمر کی تعیین نہیں کی تھی یہ بات بیشک تھی کہ اس غزوہ میں کوئی اسامہ کیساتھ جاتا اسامہ اس پر افسر ہوتے جیسا کہ حضور انور ﷺ نے عتاب بن اسید کو مکہ میں اپنا خلیفہ کر دیا تو پھر جو مکہ جا کر رہا اس پر عتاب ہی افسر رہے اور یہ ایسی صورت ہے کہ جب کسی جگہ کا کوئی امام معین ہو وہاں کے آدمیوں کو نماز پڑھاتا ہو تو اب جو کوئی اس کے پیچھے نماز پڑھے گا اس کا مقتدی ہوگا۔ اور امام امام ہی رہے گا اگر چہ یہ مقتدی اس سے افضل ہی ہو صحیح مسلم وغیرہ میں ابو مسعود و بدری سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ امامت وہ کیا کرے جو قرآن شریف اچھا پڑھتا ہو اور اگر اس کے پڑھنے میں سب برابر ہوں تو سب سے زیادہ سنت سے واقف ہو اور اگر اس میں سب برابر ہوں تو جس نے ہجرت پہلے کی ہو اور اگر اس میں سب برابر ہو تو جو عمر میں سب سے بڑا ہو اور دوسرے کی حکومت میں جا کر اس کے ہوتے کوئی امام نہ بنا کرے نہ اس کی مسند پر بیٹھے ہاں اگر وہ اجازت دے دے غرض یہ کہ حضور انور ﷺ نے حاکم کے آگے امام بننے سے منع فرما دیا ہے اگر چہ مقتدی اس سے افضل ہی کیوں نہ ہو یہی وجہ تھی کہ جب حسن بن علی کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی حسین بن علی ان کے جنازہ کی نماز پڑھانے کیلئے مدینہ کے حاکم کو آگے کر دیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اگر یہ طریقہ سنت نہ ہوتا تو میں تجھے آگے نہ کرتا حسین اس حاکم سے افضل تھے کہ جس سے آپ نے اپنے بھائی کی نماز پڑھوائی تھی مگر چونکہ حاکم وہی تھا اور حضور انور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ دوسرے کی حکومت میں کوئی اور امام نہ بنا کرے اس لئے آپ نے اسے آگے کر دیا۔ اس کے علاوہ اسامہ سرایا کے افسروں میں سے ایک افسر تھے اور ان افسروں کو خلیفہ کا خطاب نہیں دیا جاتا تھا کیونکہ یہ رسول ﷺ کے آپ کے وفات کے بعد خلیفہ نہیں ہوئے نہ کبھی حضور انور نے اپنی عدم موجودگی میں اسامہ کو ایسے کام پر خلیفہ کیا کہ جو خود کرتے ہوں بلکہ ایک جدید سفر اور جدید کام کے لئے چند آدمیوں پر انہیں افسر کر دیا تھا ان مہموں پر پہلے پہل افسر یہی ہوتے تھے یہ کسی ایک شخص کی خلافت نہیں ہوتی تھی کہ وہ ان سے پہلے اس کام کو کرتا ہوتا کہ انہیں اس کا خلیفہ کہا جاتا۔

اسامہ کا تقرر اور معزولی: پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ حضرت کی وفات ہوگئی اور آپ نے اسامہ کو معزول نہیں کیا۔

جواب: یہ ہے کہ اسامہ کے لشکر تو ابو بکر ہی نے روانہ کیا تھا باجود یہ کہ دشمن کا خوف ہونے کے

باعث اور حضرات کی یہ رائے تھی کہ اب لشکر کا جانا ملتوی کر دیا جائے مگر صدیق نے اللہ کی قسم کھا کے یہ فرمایا تھا کہ میں اس جھنڈے کو نہیں کھولتا جس کو رسول اللہ ﷺ باندھ چکے ہیں باوجود یہ کہ آپ اسامہ کو معزول کر دینے کے مالک و مختار تھے جیسا کہ آپ سے پہلے آنحضرت ﷺ اس کے مالک تھے کیونکہ آپ حضور انور قائم مقام تھے۔ آپ وہی کام کرتے تھے جس میں مسلمانوں کی انتہاء درجہ بھلائی ہو باقی صدیق کے خلیفہ ہو جانے پر اسامہ کے غصہ ہونے کا جو شیعی علماء نے ذکر کیا ہے یہ منہ بہ منہ جھوٹ بولنا ہے۔ کیونکہ صدیق اکبر سے اسامہ کی محبت اور اطاعت ایسی مشہور و معروف ہے جو بیان کی محتاج نہیں ہے۔ اسامہ تفرقہ ڈالنے اور اختلاف کرنے سے سب سے زیادہ دور رہتے تھے اسی وجہ سے انہوں نے بعد میں بھی قتال نہیں کیا۔ نہ علی کا ساتھ دیا اور نہ معاویہ کا اس فتنہ فساد سے بالکل علیحدہ رہے دوسرے یہ کہ اسامہ قریش میں سے نہیں تھے اور نہ ان لوگوں میں سے تھے جو خلافت کی قابلیت رکھتے تھے۔ نہ ان کے دل میں خلیفہ ہونے کا کبھی خطرہ گزرا پھر بھلا ایسی بات کے کہنے میں ان کا کونسا فائدہ تھا۔ باوجود یہ کہ وہ خود بھی جانتے تھے کہ اب سب پر حاکم وہی ہوگا جو خلیفہ اور حضور کا جانشین ہوا اور اگر یہ مان لیا جائے کہ آنحضرت ﷺ نے اسامہ کو ابو بکر پر افسر کر دیا تھا پھر آپ کی وفات ہوگئی تو وفات ہونے کے بعد اب یہ کام خلیفہ کے اختیار میں ہو گیا اور وہی اس لشکر کو بھیجنے یا نہ بھیجنے اور اسامہ کو اس عہدہ پر رکھنے یا معزول کر دینے کا مالک ہے اور اگر اسامہ ایسا کہتے کہ حضرت نے مجھے تم پر حاکم کیا تھا اب تمہیں مجھ پر خلیفہ کس نے کر دیا تو ابو بکر اس کا یہ جواب دیتے کہ اسی نے جس نے مجھے سارے مسلمانوں پر اور ان لوگوں پر خلیفہ کر دیا ہے جو تم سے بھی افضل ہیں۔ اور اگر یہ کہتے کہ حضرت نے مجھے تم پر امیر کر دیا تھا تو صدیق یہ جواب دیتے کہ مجھ پر تمہاری امارت اور حکومت میرے خلیفہ ہونے سے پہلے تھی اور اب میرے خلیفہ ہونے کے بعد تو میں ہی تم پر حاکم ہوں مثلاً اگر فرض کر لیا جائے کہ ابو بکر صدیق نے کسی کو عمر پر حاکم کر دیا تھا پھر آپ کا انتقال ہو گیا اور عمر خلیفہ ہو گئے تو اب اس پر بھی آپ ہی حاکم ہوں گے کہ جو پہلے آپ پر تھا اسی طرح اگر حضرت عمر نے عثمان غنی پر یا علی پر کسی کو حاکم کر دیا تھا۔ پھر آپ کا انتقال ہو گیا۔ اور آپ کے بعد عثمان یا علی خلیفہ ہو گئے۔ تو یہی اس پر بھی حاکم ہو جائیں گے۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ سوائے کسی جاہل کے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا. اب رہے اسامہ وہ تو بڑے

عقلمند بڑے متقی اور بہت بڑے عالم تھے ان کی شان کے کسی طرح لائق نہیں ہے وہ ایسا ہذیان ابوبکر صدیق جیسے صحابی کے سامنے کہتے پھر اس سے زیادہ تعجب خیز ان مفتریوں کا یہ قول ہے کہ ابوبکر اور عمر اسامہ کے پاس گئے اور خوشامدیں کر کے انہیں راضی کرلیا۔ باوجود یہ کہ یہ بھی کہتے ہیں کہ علی اور بنی ہاشم اور بنی عبد مناف پر یہ دونوں غالب تھے۔ وہ ان کے سامنے مجبور ولاچار تھے اور ان کو ان دونوں نے راضی نہیں کیا حالانکہ وہ اسامہ سے بڑے عزت دار اور بہت قوی اور اشرف تھے۔ پھر بھلا جس نے بنی ہاشم بنی امیہ اور تمام بنی عبد مناف اور قریش کے سارے خاندانوں اور انصار کو اپنے قبضہ میں کرلیا ہو اسے اسامہ بن زید کی خوشامدیں کر کے راضی کرنے کی کیا حاجت تھی۔ اسامہ تو ان کی رعیت میں سب سے زیادہ کمزور تھے۔ نہ ان کا کوئی قبیلہ تھا نہ خاندان تھا نہ ان کے پاس کچھ مال تھا نہ ان کے کہنے پر کچھ آدمی تھے اور اگر ان سے نبی ﷺ کو محبت اور ایک طرح کی خصوصیت نہ ہوتی تو یہ کسی شمار میں بھی نہ ہوتے جیسے ان کی طرح اور کمزور آدمی تھے ویسے ہی یہ بھی رہتے اور اگر تم یہ کہو کہ اسامہ کو ان دونوں نے آنحضرت کی محبت کی وجہ سے راضی کرلیا تھا تو تمہارا ہی یہ قول ہے کہ انہوں نے حضور کے عہد کو بدل دیا اور آپ کے وصی پر ظلم کیا اور ناراض کردیا تھا پس جس نے ایک صحیح حکم خلاف کیا ہو ظاہر عہد کو بدل دیا ہو اور ظلم وستم ڈھایا ہو اللہ کی اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری کی طرف التفات نہ کیا ہو نہ اہل بیت اور حضور انور ﷺ کے وعدہ کی پروا کی ہو وہ اسامہ بن زید جیسے کی کیوں رعایت کرنے لگا اور کیوں اسے راضی کرنے لگا اسی نے تو ام ایمن کی گواہی رد کردی تھی پھر انہیں راضی نہیں کیا پھر فاطمہ کو خفا کیا اور ستایا اور راضی نہیں کیا۔ حالانکہ یہ راضی کرلینے کی سب سے زیادہ حقدار تھیں پھر بھلا جس نے ایسی ایسی باتیں کیں ہوں اسے اسامہ بن زید کو راضی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جو کسی کو راضی کرتا ہے یا تو اپنی دین داری کی وجہ سے اور یا دنیا کی وجہ سے اور جب شیعوں کے عقیدے کے موافق ان صحابہ میں اتنی بھی دین داری نہ تھی کہ ان سے ایسے شخص کو راضی کراتی جس کو راضی کرنا واجب تھا۔ اور نہ انہیں ان سے کوئی دنیاوی حاجت تھی۔ تو پھر ایسا کون سا سبب تھا جس نے ان سے اسامہ بن زید کی خوشامدیں کرادیں اصل بات یہ ہے کہ شیعہ اپنی ناواقفیت اور کذب سے اپنے اقوال میں صریح تناقض پیدا کردیتے ہیں اور انہیں خبر نہیں ہوتی۔

عمر فاروق: عمر فاروق کی بحث مختصری پہلے بھی آ چکی ہے۔ مگر ہم یہاں اسے ذرا صاف اور وضاحت سے تحریر کرنا چاہتے ہیں شیعی علماء فرماتے ہیں کہ سنیوں نے عمر کا نام فاروق رکھ لیا اور علی کا یہ نام نہ رکھا باوجودیکہ رسول اللہ ﷺ نے علی کے حق میں یہ فرمایا تھا۔ هذا فاروق امتی یفرق بین اهل الحق و الباطل. یعنی یہ میری امت کا فاروق ہے اہل حق اور اہل باطل میں یہ فرق کردے گا اور ساتھ ہی ابن عمر کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین ہم ان ہی کو سمجھتے تھے کو جو علی سے بغض رکھتے تھے اور اس کے سوا اُ سکی اور کوئی علامت ہمیں معلوم نہ تھی۔ فقط شیعی علماء کا قول ختم ہو گیا۔

جواب: اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ دونوں روایتیں ایسی ہیں کہ ان کی بابت کسی محدث کو بھی اس میں ذرا شک نہ ہوگا کہ یہ دونوں یقیناً موضوع جھوٹ اور حضور انور ﷺ پر نرا بہتان ہے معتبر کتابوں میں ایک بھی مروی نہیں اور نہ کسی کی کوئی سند معروف ہے۔

دوسرا جواب: یہ قاعدہ ہے کہ فروعی مسئلہ میں بھی جو کوئی کسی حدیث سے حجت پیش کرے تو اسے اس کی سند بیان کرنی ضروری ہے پھر اصول دین کے مسائل میں تو کیسے ضروری نہ ہوگی کیونکہ کسی کا فقط اتنا کہہ دینا کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا ہے۔ باتفاق تمام علماء کے کبھی حجت کے قابل نہیں ہوسکتا اور اگر یہ حجت ہے تو پھر ہر حدیث جس میں ایک سنی یہ کہدے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا ہے وہ حجت ہونا چاہیے اس بارے میں ہم اسی پر قناعت کیے لیتے ہیں۔ کہ یہ حدیث سچائی کے ساتھ معروف سند سے بیان کردی جائے اور وہ راوی خواہ کسی فرقہ کے ہوں مگر اہل علم میں معروف ہوں لیکن جب اس حدیث کی ایک بھی سند نہیں ہے تو حضور انور پر ایسی حدیث سے شہادت دینی کیونکہ جائز ہے جس کی سند بھی معروف نہ ہو۔

تیسرا جواب: معمولی ملا بھی اسے خوب جانتے ہیں کہ حضور انور ﷺ کے اقوال سے بحث کرنے ان کا علم حاصل کرنے اور ان کے اتباع کا شوق رکھنے میں محدثین سب بڑے ہوئے ہیں نفسانی خواہش کی پیروی کرنے سے جو ان اقوال کے خلاف ہو یہ سب سے زیادہ بچتے ہیں۔ اگر ان کے نزدیک یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے علی سے ایسا ایسا فرمایا تھا تو حضور انور ﷺ کے اس ارشاد کی پیروی کرنے میں ان سے کوئی نہ بڑھ سکتا کیونکہ یہ تو آپ کے ارشاد کی اپنا ایمان سمجھ کر تعمیل کرتے اور

اس کی پیروی کا دلی شوق رکھتے ہیں انہیں اس ممدوح شخص اپنی ذاتی غرض کوئی نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ حضرت نے جو علی کے فضائل اپنی زبان مبارک سے فرمائے ہیں یہ ان کو اسی طرح ذکر کرتے ہیں کہ جیسے عثمان کے ان فضائل کو ذکر کرتے ہیں۔ جو حضرت نے فرمائے ہیں۔ علی ہذا القیاس۔ حضور انور کے فرمودہ فضائل انصار کو ویسے ہی ذکر کرتے ہیں جیسے حضرت کے فرمودہ مہاجرین کے فضائل ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت نے جو بنی فارس اور اسماعیل کے فضائل بیان فرمائے ہیں ان کو اسی طرح ذکر کرتے ہیں کہ جس طرح حضور کے فرمودہ قریش اور بنی ہاشم کے فضائل ذکر کرتے ہیں اسی طرح حضرت نے جو فضائل عائشہ صدیقہ کے بیان کئے ہیں یہ ان کو اسی طرح ذکر تے ہیں کہ جس طرح حضور کے فرمودہ فاطمہ اور خدیجہ الکبریٰؓ کے فضائل ذکر کرتے ہیں۔ غرض کہ یہ اہل اسلام میں ایسے ہیں جیسے اہل اسلام اور مذہب والوں میں ہیں کہ ہر پیغمبر اور ہر آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اللہ کے پیغمبروں میں کچھ فرق نہیں کرتے اگر ان کے نزدیک یہ ثابت ہوتا کہ حضرت ﷺ نے علی کی بابت یہ فرمایا تھا کہ یہ میری امت کا فاروق ہے تو وہ اسے ضرور قبول کر لیتے اور پھر اوروں سے نقل کرتے جیسا کہ انہوں نے ابوعبیدہ کی بابت حضرت کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ۔ **هذا امين هذه الامة** یعنی ابوعبیدہ اس امت کے امانت دار ہیں اسی طرح زبیر کے حق میں حضور انور کا یہ ارشاد ہے۔ **ان لكل نبى حوارى وحوارى الزبير.** یعنی ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں اور جیسا کہ انہوں نے علی کی بابت حضور انور کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ **لاعطين الراية جلا يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله.** یعنی میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔

چوتھا جواب: دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں جھوٹی ہیں ان میں سے ایک کو بھی حضور انور ﷺ علیہ وسلم کی نسبت کرنا کبھی جائز نہیں ہے وہ دلیل یہ ہے کہ پوچھتے ہیں کہ اس سے مقصود کیا ہے کہ علی وغیرہ اس امت کے فاروق ہیں حق و باطل میں یہ فرق کردیں گے اگر یہ مقصود ہے کہ اہل حق اور اہل باطل میں تمیز کردیں گے تو یہ کام تو آدمی کی طاقت سے باہر ہے نہ اسے نبی کرسکتا ہے اور نہ

اور کوئی اللہ جل شانہ نے اپنے نبی سے فرمایا ہے۔ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ. وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ. لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ. یعنی اور وہ دیہاتی جو تمہارے گرد ہیں ان میں سے بعض منافق ہیں اور بعض مدینہ والوں میں سے جو نفاق پر اڑ گئے ہیں انہیں تم نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔ پس جو نبی ﷺ بھی اپنے مدینہ اور جوالی مدینہ کے ہر ہر منافق کو نہیں جانتے تھے تو پھر اور کوئی اُسے کس طرح جان سکتا ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ حضور انور نے اہل حق اور اہل باطل کی علامتیں بیان فرمادی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن شریف اس کے بیان کرنے میں سب سے بڑھا ہوا ہے اور یہی وہ فرقان ہے جس نے اللہ کے نبی کے لئے حق و باطل میں بے شک فرق کر دیا ہے اور اگر فاروق کہنے سے یہ مراد ہے کہ جو اہل باطل کا مقابلہ کرے وہ حق پر ہے تو اب ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ صحیح ہو تو خاص اسی ایک فرقہ میں تمیز ہوگی اور اس وقت ابوبکر، عمر اور عثمان فاروق ہونے کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اہل حق مسلمانوں کے ذریعہ سے کفار اہل باطل کا بہت مقابلہ کیا ہے۔ پس ان کے فعل سے جو تمیز حاصل ہوئی ہے وہ بے شک افضل و اکمل ہے کیونکہ اس میں کسی عاقل کو شک نہیں ہے۔ کہ جن سے ان تینوں نے قتال کیا ہے وہ باطل پر ان سے زیادہ تھے۔ جن سے علی نے قتال کیا ہو اور جو دشمن زیادہ باطل پر ہوتا ہے اس کا مقابل ویسا ہی زیادہ حق پر ہوتا ہے اسی وجہ سے قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اُسے ہوگا جس نے نبی کو قتل کیا ہو۔ وہ مشرکین جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سخت عداوت رکھی اور برابر آپ کی تکذیب میں لگے رہے مثلاً ابولہب اور ابوجہل وغیرہ اور مشرکین سے نہایت ہی بدتر تھے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ جس جس کو خلفاء ثلثہ نے قتل کیا وہ زیادہ باطل پر تھا تو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اُن باطل والوں سے لڑنے والے بھی سب سے زیادہ حق پر تھے اور اس اعتبار سے فاروق ہونے کے یہ سب سے زیادہ مستحق ہیں اور اگر کوئی کہے کہ علی فاروق ہیں اس وجہ سے ان کی محبت اہل حق اور اہل باطل میں فرق معلوم کرادینے کا باعث ہے۔ تو اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ علی کا فعل نہیں ہے تاکہ اس کے سبب سے وہ فاروق ہو جائیں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ باتفاق تمام علماء کے رسول ﷺ کی محبت اہل حق اور

اہل باطل کے درمیان فرق معلوم کرا دینے کی سب سے بڑھ کر باعث ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی معارض معارضہ کرے اور عثمان غنی کی محبت کو حق و باطل کے درمیان فرق ٹھہرائے تو اس کا یہ دعویٰ علی کی بابت دعوے کرنے سے کچھ کم نہ ہوگا باوجود کہ ان کی بابت یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب فتنہ وفساد کا ذکر کیا تو حضرت عثمان کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمایا کہ یہ اور ان کے ساتھی حق پر ہوں گے۔ لیکن جب ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کی بابت ایسا کہا جائے تو پھر اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ یہ مقابلہ میں اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے اور جس کا قول محض دعویٰ ہی دعویٰ ہو تو اس کا مقابلہ ایسے جواب سے ہوسکتا ہے اور ایک حدیث میں حضرت علی کا یہ فرمانا کہ۔ **لا یحبنی الا مومن ولا یبغضنی الا منافق**۔ یعنی مجھ سے محبت مومن ہی کرتا ہے اور مجھ سے بغض منافق ہی رکھتا ہے اس میں بھی حضرت علی کی کچھ خصوصیت نہیں ہے اس لئے کہ صحیحین میں آنحضرت ﷺ سے ثابت ہو چکا ہے آپ نے فرمایا تھا۔ **آیة الایمان حب الانصار وآیة النفاق بغض الانصار**۔ یعنی ایمان کی علامت انصار سے محبت رکھنا ہے اور نفاق کی علامت انصار سے بغض رکھنا ہے اور فرمایا۔ **لایبغض الانصار رجل مومن باللّٰہ والیوم الاخر**۔ یعنی انصار سے ایسا آدمی بغض نہیں رکھتا جس کا اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان ہو۔ ایک صحیح حدیث میں ابوہریرہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور میری والدہ کے حق میں یہ دعا کی تھی۔ کہ اے اللہ اپنے مومن بندوں کے دلوں میں ان دونوں کی محبت ڈال دے پھر آپ کی اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ میں نے کوئی مومن مسلمان ایسا نہیں دیکھا کہ جسے میری اور میری والدہ کی محبت نہ ہو۔ اب اس حدیث میں اور ابن عمر کے اس قول میں فرق صاف ظاہر ہو گیا جو شیعی علماء نے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں منافقین ہم ان ہی کو سمجھتے تھے کہ جو علی سے بغض رکھتے تھے کیونکہ یہ ایسی بات ہے کہ اس کے جھوٹ ہونے کو ہر عالم بخوبی معلوم کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ نفاق کی علامتیں اور اس کے اسباب علی سے بغض رکھنے کے علاوہ اور بہت سے ہیں لہٰذا یہ کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے کہ نفاق کی علامت علی سے بغض رکھنے کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ حالانکہ صحیح میں نبی ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ نفاق کی نشانی انصار سے بغض رکھنا ہے

اور دوسری صحیح حدیث میں یہ بھی ہے۔ آیۃ الا المنافق ثلاث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا وتمن خان یعنی منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کہے جھوٹی کہے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور جب کوئی اس کے پاس امانت رکھے تو اس میں خیانت کرے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی علامت بیان کرنے کے موقع پر فرمایا۔ وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا. وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ. وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللَّهَ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي وَمِنْ هُمْ مَنْ يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا. ان کے علاوہ سورہ برأت میں اللہ تعالے نے ان کی اس قدر علامتیں اور تعریفیں ذکر کی ہیں۔ جو اس جگہ بیان نہیں ہوسکتیں بلکہ اگر ابن عمر یہ کہتے کہ علی سے بغض رکھنا بھی منافقین کو پہچاننے کے لئے ہمارے واسطے ایک علامت تھی تو یہ قول بیشک بن جاتا ہے کیونکہ جیسی یہ ایک علامت تھی ایسے ہی انصار سے بغض رکھنا بھی علامت تھی بلکہ اور ابوبکر اور عمر سے اور ان کے سوا اور صحابہ سے بغض رکھنا بھی کیونکہ جس نے اس آدمی سے بغض رکھا جس کی بابت یہ معلوم ہو چکا ہے کہ نبی ﷺ اس سے محبت رکھتے اور اس کا لحاظ کرتے تھے تو اس کا بغض رکھنا نفاق کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے اور اسی وجہ سے نفاق میں سب سے بڑھا ہوا فرقہ ان لوگوں کا تھا جو ابوبکر صدیق سے بغض رکھتے تھے۔ کیونکہ سارے صحابہ میں ابوبکر سے زیادہ نبی ﷺ کو اور کسی سے محبت نہ تھی اور نہ ان میں ابوبکر سے زیادہ حضور انور ﷺ کی محبت کسی کو تھی اس لئے ابوبکر سے بغض رکھنا نفاق کی ساری نشانیوں سے بڑھ کر نشانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے منافقین کسی فرقہ میں نہیں ملتے کہ جو نفاق میں ابوبکر سے بغض رکھنے والوں سے بڑھے ہوں۔ جیسے نصیریہ اور اسماعیلیہ وغیرہ اب اگر کوئی یہ کہے کہ وہ رافضی جو ابوبکر سے بغض رکھتے ہیں اُن کا یہ گمان ہے کہ یہ نبی ﷺ کے دشمن تھے کیونکہ اُن سے ایسی خبریں بیان کی گئی ہیں کہ اُن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابوبکر آنحضرت سے اور آپ کے اہل بیت سے بغض رکھتے تھے تو ان رافضیوں کے اُن سے بغض رکھنے کی یہی وجہ ہے کہ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ عذر تسلیم کرلیا جائے یہ رافضی صدیق اکبر سے بغض رکھنے کی جو تاویل پیش کرتے ہیں۔ وہ صحیح ہے تو یہی عذر ان لوگوں کے پاس بھی ہے جو علی سے بغض رکھتے

ہیں۔ان کا یہ عقیدہ ہے کہ علی کافر مرتد تھے یا ظالم فاسق تھے (معاذ اللہ) اور دین اسلام سے بغض رکھتے تھے۔اس لیے انہیں اُن سے بغض ہے اور ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ علی نے بہت سے مسلمانوں کو ناحق قتل کر دیا تھا۔اور اس تختۂ زمین پر فتنہ فساد برپا کرنا چاہا تھا اور وہ مثل فرعون وغیرہ کے تھے بس یہ لوگ جو علی کی بابت ایسا خیال کرتے ہیں ممکن ہے کہ جاہل ہوں ان سے بڑھ کر جاہل نہیں ہیں جو عمر فاروق کی بابت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ اس امت کے فرعون تھے۔پس اگر ان رافضیوں کا ابوبکر اور عمر سے بغض رکھنا اس وجہ سے نفاق نہیں ہے کہ یہ جاہل ہیں اور بے علمی سے تاویل کرتے ہیں۔تو اسی طرح ان لوگوں کا علی سے بغض رکھنا بطریق اولیٰ نفاق نہ ہوگا۔اور اگر علی سے بغض رکھنا نفاق ہے اگر چہ وہ بغض رکھنے والا ناواقف اور متاول ہے تو اس صورت میں ابوبکر وعمر سے بغض رکھنا ضرور ہی نفاق ہوگا۔اگر چہ یہ بغض رکھنے والے بھی ناواقف اور متاول ہیں۔

عائشہ صدیقہؓ: شیعی علماء فرماتے ہیں سنیوں نے آنحضرت کی تمام ازواج سے عائشہؓ کا مرتبہ بڑھا دیا باوجود یہ کہ آنحضرت علیہ السلام خدیجہ بنت خویلد کو بہت یاد کیا کرتے تھے اور ایک روز عائشہ نے حضرت سے کہا تھا کہ آپ اب بھی خدیجہ کو یاد کرتے ہیں حالانکہ آپ کو اللہ نے اس سے اچھا بدلہ دے دیا ہے اس پر حضور انور ﷺ نے یہ فرمایا کہ خدا کی قسم خدیجہ کے عوض میں ان سے اچھا مجھے نہیں ملا۔ اس نے میری اس وقت تصدیق کی کہ جب سب نے میری تکذیب کر دی تھی یعنی مجھے جھوٹا ٹھہرالیا تھا اور ایسے وقت میرا ساتھ دیا کہ جب سب نے مل کر مجھے نکال دیا تھا۔اس نے اپنے مال سے میری مدد کی اللہ نے اس سے مجھے لڑکا عنایت کیا جو اور کسی عورت سے میرے ہاں لڑکا نہیں ہوا۔

جواب: سب اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع اور اتفاق نہیں ہے کہ حضور انور ﷺ کی سب ازواج مطہرات سے عائشہ صدیقہ افضل ہیں بلکہ ہاں اکثر اہل سنت والجماعت اس طرف گئے ہیں اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیحین میں ابوموسیٰ اور انس سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا۔ **فضل عائشه علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام** یعنی عائشہ کو اور تمام عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسے ثرید کو اور تمام کھانوں پر ہے۔ثرید سب کھانوں سے افضل ہے کیونکہ ثرید گوشت

روٹی کو کہتے ہیں۔جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے۔ شعر اذا ما الخبز تادمه بلحم فذاک امانته الله الثرید. یعنی جس وقت روٹی گوشت کے ساتھ ہوتو یہ اللہ کی امانت اور نعمت ثرید ہے۔اور اس کے افضل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ سب غلوں میں گیہوں افضل ہے۔اور سب سالنوں میں گوشت افضل ہے۔جیسا کہ اس حدیث میں آیا ہے جو ابن قتیبہ وغیرہ نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے۔آپ نے فرمایا ہے. سید ادام اهل الدنیا والاخرة اللحم. یعنی اہل دنیا اور اہل آخرت کے سالنوں میں سب سے افضل گوشت ہے۔پس جب گوشت سب سالنوں میں افضل ہوا اور گیہوں سب غلوں میں افضل ہوا اور ان کے مجموعہ کا نام ثرید ہے تو ثرید سب کھانوں سے افضل ہوا۔اس کے علاوہ اس صادق المصدوق ﷺ سے متعدد طریقوں سے ثابت ہے فرمایا۔ فضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام. صحیح میں عمر بن عاص سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ عورتوں میں سب سے زیادہ آپ کو کس سے محبت ہے۔فرمایا عائشہ سے میں نے کہا مردوں میں فرمایا اُن کے باپ سے میں نے کہا پھر کس سے فرمایا عمر سے اور ان کے بعد اور کئی آدمیوں کا نام لیا پھر کہتے ہیں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی بابت حضور انور ﷺ کا یہ ارشاد ہے۔ ما ابدلنی الله خیرا منها اگر صحیح ہو تو اس کے یہ معنی ہیں کہ میری ذات خاص کو ان سے بہتر بدلا مجھے نہیں ملا۔کیونکہ خدیجہ نے شروع اسلام میں حضرت کو ایسا نفع پہنچایا تھا کہ اس میں ان کے برابر کوئی نہیں ہو سکا۔پس اس اعتبار سے وہ حضرت کے لئے سب سے بہتر تھیں کہ ضرورت کے وقت ان سے فائدہ پہنچا تھا۔اور عائشہ صدیقہ آخر نبوت اور دین کامل ہو جانے کے وقت ان سے آپ کی صحبت میں رہی تھیں۔اس لئے انہیں علم اور ایمان ایسا حاصل ہوا کہ ایسا اور کسی کو حاصل نہیں ہوا یعنی ان میں سے جنہوں نے ابتدا نبوت کا زمانہ دیکھا تھا۔اس زیادتی کی وجہ سے صدیقہ سے افضل ہوئیں کیونکہ امت کو اور ازواج کی نسبت سب سے زیادہ ان ہی سے نفع پہنچا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ خدیجۃ الکبریٰ کا نفع تو آنحضرت ﷺ کی ذات ہی پر منحصر تھا۔ان سے امت کو ایسا نفع نہیں پہنچا جیسا عائشہ سے پہنچا ہے دوسرے یہ کہ خدیجہ کی زندگی میں دین کامل نہیں ہوا تھا تا کہ وہ اُس کے کمالات سے ایسی واقف

ہو جاتیں کہ جیسے وہ واقف ہوئے کہ جو دین کے کامل ہونے کے بعد ایمان لائے اور علم دین حاصل کیا
یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ جس کی ہمت ایک ہی کام میں صرف ہوئی ہو اس میں اس سے بڑھ جاتا
ہے جسکی ہمت کئی قسم کے کاموں میں منتشر ہو خدیجہ اس اعتبار سے بیشک حضور کیلئے بہتر تھیں لیکن
بہترائی کی قسمیں اسی میں منحصر نہیں ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ جو صحابہ ایمان میں اور اپنے جان و مال
سے اجتہاد کرنے میں بڑے ہوئے تھے. مثلاً حمزہ، سعد بن معاذ، اسید بن حضیر وغیرہ. یہ ان سے افضل
تھے جنہوں نے اپنی ساری عمر خاص نبی ﷺ کی خدمت کی اور آپ کو نفع پہنچایا مثلاً ابو رافع اور انس بن
مالک وغیرہ غرض یہ ہے کہ عائشہ اور خدیجہ کی فضیلت میں مفصل گفتگو کرنے کا یہ موقع نہیں ہے بلکہ
یہاں تو فقط یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ عائشہ صدیقہ کی تعظیم اور محبت کرنے پر سب اہل سنت والجماعت کا
اجماع ہے تمام مسلمانوں کے دلوں میں سب از اوج سے زیادہ ان ہی کی عزت و حرمت ہے. فقط

چوتھے مقدمہ کو میں یہیں ختم کرتا ہوں جہاں تک مجھ سے ممکن ہوا اصول کی کوئی بات میں
نے نہیں چھوڑی مجھے اچھی طرح یقین ہے کہ کسی صورت سے بھی اس کتاب کا جواب ہونا ممکن نہیں
واقعات اور مشاہدات سے جب بحث کی جاتی ہے اس کا جواب ہی کیا ہوسکتا ہے ہاں مونہ چڑانے کی
دوسری بات ہے مگر ایسی تحریریں علماء اور عقلاء کی نظروں میں مقبول نہیں ہوتیں ان مقدموں کا یہ دیکھنے
والا اس بات کو معلوم کرے گا کہ جن باتوں پر آج تک پردہ پڑا ہوا تھا اور جو واقعات راز میں تھے وہ کس
طرح اپنی اصلی صورت میں مسلمانوں کے آگے پیش کر دیئے گئے۔ آج تک نہ کسی نے اس وضاحت
سے بحث کی نہ آئندہ کر سکتا ہے کیونکہ علم کا مذاق روز بروز کم ہوتا جاتا ہے اس کے مقابلہ میں تحکم اور خود
رائی بڑھتی جاتی ہے۔ یہ مقدمے بجائے خود ایک مستقل کتاب ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ ہر مقدمہ بجائے خود
ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی دنیا کی یہ پہلی مذہبی کتاب ہے جس کو پورا ہونے سے
پہلے کم سے کم ہر ہفتہ میں پندرہ سولہ ہزار آدمیوں نے دیکھا اور روز بروز اس کے پڑھنے کی اشاعت بڑھتی
رہی. ۲۳ مارچ ۱۹۰۹ء سے پہلا مقدمہ چھپنا شروع ہوا اور اب ۸ جولائی ۱۹۱۳ء میں چوتھا مقدمہ
چھپ کے ختم ہوا مجھے امید ہے کہ صداقت کی روشنی پھیلے گی اور ہزاروں گمراہ اس سے فائدہ اُٹھائیں گے

کل جھگڑوں کا جو بد قسمتی سے شیعہ اور سنیوں میں پیدا ہو گئے ہیں ان کا اس میں فیصلہ کر دیا گیا ہے کسی کی مجال نہیں ہے کہ اس کے فیصلے کے خلاف آواز بلند کر سکے۔ کیونکہ سوا چار برس سے کتاب شہادت کے ان مقدموں کا ہندوستان میں ڈنکا بج رہا ہے۔ اسکی تحریروں کو دیکھ دیکھ کے ہندوستان اور ایران کے مجتہد دم بخود ہی نہیں بلکہ ترساں و لرزاں ہیں ان میں طاقت نہیں ہے کہ ان کے واقعات کو جھٹلا سکیں بہر حال اب اصل کتاب شہادت شروع ہوتی ہے اس کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلامی دنیا کی تاریخ ابتداء سے آج تک کسی دلکش اور دلخراش ہے۔ روایتوں کے مصنفوں اور بعد کے تواریخ نویسوں نے کس طرح اصل واقعات کو چھپایا ہے اور ایک انسان کو انسانی حیثیت سے ہٹا کے کس طرح عالم بالا پر پہنچایا ہے۔ اسلام کی اس تاریخ میں نصیحت بھی ہے عبرت بھی ہے شان و عظمت بھی ہے جلال بھی ہے۔ اور دل فریبی بھی ہے بشرطیکہ انسان اسے غور سے دیکھے اور مطالعہ کرے فقط۔

چوتھا مقدمہ ختم ہوا۔